ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

شمارہ 03 | جلد 23 | مارچ 2014ء / جمادی الاولیٰ 1435ھ

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی حسین کاوشوں کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

پاکستان کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں

سعودی ولی عہد شہزادہ

سلمان بن عبدالعزیز کا دورۂ پاکستان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پاک سعودی

مضبوط تعلقات

مستحکم عالمِ اسلام کی بنیاد

وفاقی وزیر مذہبی امور محترم سردار محمد یوسف سے انٹرویو

شام

خون آشام

وہ کون سی صبح ہوگی جب آنکھیں

پرامن "شام" دیکھیں گی!!

خواتین کی

پیشہ وارانہ

سرگرمیاں

شرعی حدود و قیود



وقت کے فرعونوں کا

مقابلہ مگر کیسے؟

قرآن مجید سے جواب لیجیے

قومی اداروں کی نجکاری

چند تلخ حقائق اور شرعی حکم

ماہنامہ

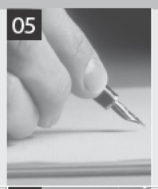
ضیائے حدیث

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

شمارہ 03 | جلد 23 | مارچ 2014ء/جمادی الاولیٰ 1435ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

وسعتِ دامان



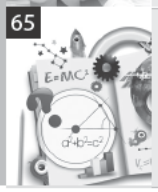
05 اداریہ
پاک عرب تعلقات میں ایک خوشگوار موڑ
چیف ایڈیٹر



15 احکام و مسائل
تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت
ابوعبداللہ محمد شعیب



32 اتباع سنت
مشکل ترین حالات میں بھی سنت نہ چھوٹی
مولانا عبداللہ ناصر رحمانی



65 تعلیم و تربیت
بچوں کا روشن مستقبل
ابونخلہ فرات

انگریزی ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمر الحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم
آرٹ اینڈ ڈیزائن طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

ہارون الرشید (گرافک ڈیزائن) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائن) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
خطاطی اکرام الحق قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ: موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور

اداریہ	پاک عرب تعلقات میں ایک خوشگوار موڑ	چیف ایڈیٹر	5
تجلیات قرآن	فرعونوں کا مقابلہ مگر کیسے؟	محمد نعمان فاروقی	9
انوار حدیث	دلچسپ سچے واقعات	فضل اکبر کاشمیری	12
احکام و مسائل	تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت	ابوعبداللہ محمد شعیب	15
معاشیات	قومی اداروں کی نجکاری	حافظ عبدالسمیع	19
تاثرات	آپ کے تاثرات	ایڈیٹر	22
انٹرویو	پاک عرب تعلقات، مستحکم عالم اسلام کی بنیاد	وفاقی وزیر مذہبی امور	23
اصلاح معاشرہ	ولیمہ، مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے	حافظ صلاح الدین یوسف	28
اتباع سنت	مشکل ترین حالات میں بھی سنت نہ چھوٹی	مولانا عبداللہ ناصر رحمانی	32
اشاعت حدیث	غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث	ابوانس	37
رپورٹ	دارالسلام ماورفتہ	حافظ محمد ندیم	38
مکتوب الریاض	شام.....خون آشام	عبدالمالک مجاہد	39
تعاقب	عامر لیاقت کی علمی لیاقت	حافظ شبیر صدیق	44
افتاء و ارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن عبدالخالق	48
طب و سائنس	پھولوں کی دنیا	ڈاکٹر طارق ریاض	52
مکتوب امریکہ	نوبت بایں جارسید	حافظ عبدالوحید	58
گوشۂ خواتین	خواتین کی پیشہ وارانہ سرگرمیاں	طارق جاوید عارفی	61
تعلیم و تربیت	بچوں کا روشن مستقبل	ابونخلہ فرات	65
تبصرۂ کتب	کتابوں کے دیس میں	ایڈیٹر	69
عالم اسلام	جمہوریہ ترکی	محسن فارانی	71

سالانہ رعائتی زرتعاون | عام ڈاک صرف 460 روپے | رجسٹری ڈاک 800 روپے

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون | سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 40 روپے

پاک سعودی تعلقات
ایک خوشگوار موڑ

سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات شروع دن ہی سے نہایت عمدہ اور برادرانہ چلے آ رہے ہیں۔ دونوں ملکوں کے عوام ایک دوسرے کے ساتھ دلی محبت کرتے ہیں۔ سعودی حکومت ہو یا سعودی عوام ان کے دل اہل پاکستان کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد سب سے پہلے جس ملک نے پاکستان کو تسلیم کیا وہ سعودی عرب ہی تھا۔ پاکستان بننے سے لے کر آج کے دن تک سعودی عرب کے جتنے بھی حکمران اور بادشاہ آئے، سب نے پاکستان کو مضبوط بنانے اور اسے اپنے قدموں پر کھڑا کرنے میں بے حد دل چسپی لی اور اس مقصد کے حصول کے لیے غیر معمولی مدد فراہم کی۔ پاکستان پر جب بھی کوئی مشکل یا کڑا وقت آیا، سعودی حکومت اور عوام نے پاکستان کی دل کھول کر مدد کی۔ شاہ فیصل بن عبدالعزیز تو اہل پاکستان کو بے حد عزیز جانتے تھے۔ پاکستانیوں نے بھی سعودی حکمرانوں کی محبتوں کا جواب اس صورت میں دیا کہ اسلام آباد کی سب سے بڑی مسجد کا نام ملک فیصل مرحوم سے منسوب کر دیا۔ بلاشبہ یہ تاریخی مسجد ہے۔ اس کے بیشتر اخراجات سعودی حکومت نے برداشت کیے، مگر یہ دونوں ملکوں کی محبت کا لازوال ثبوت ہے۔ پاکستان کا تیسرا بڑا شہر لائل پور بھی سعودی فرماں روا شاہ فیصل کے نام سے موسوم کیا گیا جو اب فیصل آباد کہلاتا ہے۔

سعودی عرب میں دنیا کے مقدس ترین شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ یہ دونوں شہر مہبط الوحی ہیں۔ انھی شہروں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی اور پورے عالم میں اس کی کرنیں پھیل گئیں۔ مکہ مکرمہ اللہ کے نزدیک پوری زمین کا محبوب ترین ٹکڑا ہے۔ یہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اپنی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر بنانے کا حکم دیا۔ یہ شہر اللہ کے رسول ﷺ کی جائے ولادت بھی ہے اور مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی مسجد اور قبر مبارک ہے۔ ان دونوں شہروں کی زیارت ہر مسلمان کی اولین خواہش ہے۔ اس وقت سعودی عرب میں کم و بیش 15 لاکھ پاکستانی کام کر رہے ہیں، جو ہر سال 4 ارب ڈالرز کا زرمبادلہ وطن عزیز کو بھجواتے ہیں۔ سعودی عرب کے پاکستان سے تعلقات کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ 28 مئی 1998ء کو میاں نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں کامیاب ایٹمی تجربات کیے گئے، جس کے نتیجے میں پاکستان جوہری ٹیکنالوجی کا حامل پہلا اسلامی ملک بن کر ابھرا۔ یورپی ممالک نے کسی مسلم ملک کے پاس ایسی صلاحیت کی موجودگی کو قطعی ناپسند کیا، چنانچہ پاکستان پر اقتصادی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ ان کی خواہش تھی کہ پاکستان کو دیوالیہ کر دیا جائے۔ یورپی یونین اور اقوام متحدہ میں قرار دادیں پاس ہوئیں۔ پاکستان پر دباؤ بڑھائے گئے۔ اقتصادی پابندیاں عائد کی گئیں۔ یورپی وزرائے خارجہ نے مختلف ممالک کے دورے کیے کہ کسی طرح پاکستان کو باقی دنیا سے الگ تھلگ کر دیا جائے اور اسے اقتصادی طور پر دیوالیہ قرار دے دیا جائے، مگر اس وقت کے سعودی حکمران شاہ فہد بن عبدالعزیز نے بڑا جرأت مندانہ کردار ادا کیا۔ انھوں نے عالمی طاقتوں کی ناپسندیدگی اور ناراضی کو پرکاہ کی

حیثیت نہ دی۔ انھوں نے یورپ کے موقف کی یکسر پروا نہ کرتے ہوئے پاکستان کی طرف دست تعاون دراز کیا اور ایک طویل عرصے تک پٹرولیم مصنوعات کی مفت سپلائی جاری رکھی۔ مجھے اس وقت کے پاکستانی سفیر جناب خالد محمود کے یہ الفاظ کبھی نہیں بھولے جو انھوں نے ایک تقریب میں پاکستانی کمیونٹی سے خطاب کے دوران کہے تھے: ''میں شاہ فہد بن عبدالعزیز سے کافی مرتبہ ملا ہوں، مگر جو عزت اور احترام ایٹمی دھماکوں کے بعد انھوں نے مجھے دیا وہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔'' ایٹمی دھماکے پاکستان میں ہوئے، مگر ان کی خوشی سعودی عرب میں منائی گئی۔ سعودی حکومت اور عوام آپس کی مجالس میں بھی اور پاکستانیوں سے ملتے وقت بھی اس کامیابی پر بے حد خوشی اور فخر کا اظہار کیا کرتے تھے۔

گزشتہ دور حکومت میں جب پاکستان نے چین کے تعاون سے لڑاکا طیارے ''جے ایف 17 تھنڈر'' کی تیاری کا آغاز کیا تو اس وقت بھی پاکستان کی حوصلہ افزائی کے اقدام کے طور پر سعودی حکومت نے اسلامی جمہوریہ پاکستان سے 15 طیارے فوری طور پر خریدنے کا اعلان کیا۔

میں اپنے اس سعودی دوست کو کبھی نہیں بھول سکتا جو میرے گھر کے قریب واقع مسجد کا نمازی ہے۔ اس نے ایک دن مجھے ان طیاروں کے حوالے سے کہا: عبدالمالک! وہ وقت بس آیا ہی چاہتا ہے جب سعودی عرب کی فضاؤں میں ایف جے 17 تھنڈر پروازیں کر رہے ہوں گے۔ پاکستان سعودی عرب کی فضائیہ کو ٹریننگ کی سہولتیں بھی مہیا کر رہا ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور احترام کے گہرے رشتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں دیرینہ تعلقات قائم ہیں جو ہر آزمائش پر پورے اترے ہیں۔ 8 اکتوبر 2005ء کے ہولناک زلزلے اور 2011ء میں تباہ کن سیلاب کے بعد سعودی حکومت نے تاریخ ساز مدد کی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ زلزلہ زدگان کے لیے سب سے پہلا عطیہ خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے دیا تھا۔ پھر پوری سعودی قوم نے عطیات کی بارش کر دی۔ سعودی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے بھی اس موقع پر اپنے عوام سے پرزور اپیلیں کیں کہ وہ پاکستانی زلزلہ زدگان کی دل کھول کر مدد کریں۔ پاکستان میں سعودی سفیر نے از خود سیلاب کے پانی میں اتر کر متاثرین تک امدادی سامان پہنچایا تھا۔

آج کے حالات میں جب پاکستان میں دہشت گردی عروج پر ہے، ملک کی اقتصادی حالت زیادہ بہتر نہیں۔ سعودی ولی عہد شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز کا دورۂ پاکستان بڑا بروقت اور تاریخ ساز تھا۔ راقم الحروف کو پروفیسر ساجد میر صاحب کی معیت اور قیادت میں امیر سلمان بن عبدالعزیز سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس وقت وہ منطقہ ریاض کے امیر تھے۔ وہ سعودی خاندان میں نہایت ذہین وفطین اور قوی شخصیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ وہ پہلی مرتبہ پاکستان اس وقت آئے جب پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے تھوڑا ہی وقت گزرا تھا۔ ان دنوں گورنر جنرل غلام محمد کی حکومت تھی۔ شہزادہ سلمان اپنے بھائی شاہ سعود بن عبدالعزیز کے ہمراہ پاکستان آئے تھے۔ وہ پاکستان کے اہل حدیث علماء اور عوام سے خوب محبت کرتے ہیں۔ انھیں آل سعود کی تاریخ پر بڑا عبور ہے۔ وہ ماضی کو کسی حال میں فراموش کرنے والے نہیں ہیں۔ وہ نہایت بیدار مغز انسان ہیں۔ ہماری جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے اپنے پاکستان کے پہلے دورے کے حوالے سے اپنی یادوں کو ضرور تازہ کیا۔ وہ بلاشبہ پاکستان اور اس کے عوام سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ پاکستان سے آل سعود کی محبت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ ان کی اہلیہ محترمہ شہزادی سلطانہ نے پاکستان میں کئی تعلیمی ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ ''سلطانہ فاؤنڈیشن'' پاکستان میں تعلیم کے شعبے میں بہترین اور مثالی کام کر رہی ہے۔ ان تعلیمی اداروں کے زیادہ تر اخراجات ان کی اہلیہ محترمہ برداشت کرتی ہیں۔

موجودہ صورت حال میں امیر سلمان بن عبدالعزیز کا دورہ پاکستان تازہ ہوا کے جھونکے سے کم نہیں۔ میاں نواز شریف اور ان کے بھائی میاں شہباز شریف آل سعود کی محبتوں اور ان کی جدہ میں قیام کے دوران مہمان نوازی کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ میری ذاتی رائے میں یہ دورہ قدرے تاخیر سے ہوا ہے۔ ہمارا خیال تو یہ تھا کہ جیسے ہی میاں محمد نواز شریف حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں گے دونوں ملکوں کے درمیان اعلیٰ سطحی وفود اور مختلف النوع تاجروں اور صنعتکاروں کا تبادلہ ہوگا، جن کے ذریعے مستقبل کے منصوبوں کو عملی شکل دی جائے گی۔ صدر زرداری کے دور میں ان کے مخصوص مذہبی عقائد کی وجہ سے سعودی عرب پاکستان سے خاصا دور چلا گیا تھا۔

امیر سلمان کے اس دورے میں پاکستان اور سعودی عرب بہت زیادہ قریب آ گئے ہیں۔ مجھے یہ لکھنے میں کوئی باک نہیں کہ سعودی حکومت اور عوام پاکستان میں میاں نواز شریف کی حکومت قائم ہونے کے خواہش مند تھے۔ امیر سلمان بہت محنتی اور سنجیدہ شخصیت ہیں۔ انھوں نے کم وبیش 50 سال تک بطور گورنر ریاض اپنی ذمہ داریاں نہایت احسن طریق سے نبھائی ہیں۔ وہ لوگوں کی عزت کرنا اور کروانا جانتے ہیں۔ ان کے دور میں ریاض شہر نے بے حد ترقی کی۔ انھوں نے اسے ایک مثالی شہر بنا دیا۔

سعودی حکومت نے جس طرح اپنے ملک میں دہشت گردی پر قابو پایا ہے اس سے خادم الحرمین الشریفین کی حکومت کی صلاحیتوں اور اعلیٰ درجہ کی پلاننگ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آج بھی سعودی عرب امن و امان کے لحاظ سے کرہ ارض پر ایک مثالی ملک ہے۔ اکا دکا واقعات کو چھوڑ کر شاہ عبداللہ کی حکومت نے جس طرح اس ملک میں شدت پسندوں اور ملک دشمنوں کا ناطقہ بند کیا ہے، اپنے اور بیگانے سبھی اس کے معترف ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستانی حکومت بھی ان کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اس مسئلہ پر قابو پائے۔ سعودی عرب اقتصادی اعتبار سے دنیا کا مضبوط ترین ملک ہے۔ جتنا کاروبار اس ملک میں ہوتا ہے اور عوام کی قوت خرید جتنی اس ملک میں موجود ہے، بہت کم ملکوں میں ہوگی۔ سعودی عوام آل سعود سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے ہیں۔

یہاں ریاض میں میرے گھر کے اردگرد رہنے والے حضرات زیادہ تر سعودی ہیں۔ مسجد میں ان سے نمازوں کے بعد ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آج عصر کی نماز کے بعد میرے ہمسائے عبداللہ الحارثی کے ساتھ میں سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات کے حوالے سے گفتگو کر رہا تھا۔ استاذ عبداللہ الحارثی کا کہنا تھا کہ سعودی عرب کی ترقی میں پاکستانی کارکنوں کا بڑا عمل دخل ہے۔ ہماری فوج نے پاکستانی فوج سے ٹریننگ حاصل کی ہے۔ اب بھی کتنے ہی پاکستانی فوجی ہیں جو سعودی عرب کی وزارت دفاع میں کام کر رہے ہیں۔ سعودی عرب میں کام کرنے والے لوگ دونوں ممالک کے درمیان مضبوط پل کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

سعودی عرب میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کے لوگ سعودی عرب کے ولی عہد امیر سلمان بن عبدالعزیز کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انھوں نے متعدد ملکوں کے اپنے اس دورے میں سب سے پہلے پاکستان کا انتخاب کیا ہے۔ سعودی ولی عہد کے دورے کو سعودی اخبارات نے بڑی نمایاں جگہ دی ہے۔ سعودی عرب کے معروف اخبارات الشرق الاوسط، الریاض، الحیاۃ، الوطن، الجزیرہ، الیوم، الاقتصادیہ اور دیگر تمام اخبارات نے تین دن تک امیر سلمان آل سعود کے دورہ پاکستان کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ خبریں اور رپورٹیں شائع کی ہیں۔ سعودی ولی عہد جب پاکستان کے تین روزہ دورے پر اسلام آباد پہنچے تو وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے اپنی کابینہ کے اراکین کے ہمراہ ان کا شاندار اور تاریخی استقبال کیا۔ انھیں 21 توپوں کی سلامی دی گئی اور گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔ ان کے ساتھ متعدد سعودی وزراء، سول سروس کے افسران اور تاجروں کا ایک بڑا وفد بھی پاکستان آیا۔ امیر سلمان بن عبدالعزیز آل سعود کے وفد میں امیر محمد بن سلمان بن عبدالعزیز، رئیس دیوان الملکی ڈاکٹر مساعد بن محمد العیبان، وزیر اطلاعات ونشریات ڈاکٹر عبدالعزیز بن محیی الدین، وزیر خزانہ ڈاکٹر محمد سملان الجاسر، وزیر

تجارت ڈاکٹر توفیق بن فوزان الربیعہ اورامور خارجہ کے وزیر مملکت ڈاکٹر نزاز بن عبید مدنی شامل تھے۔معزز مہمانوں کے اعزاز میں صدر پاکستان ممنون حسین نے عشائیہ دیا جس میں وزراء کے علاوہ سپیکر قومی اسمبلی سردار ایاز صادق' وزیر دفاع خواجہ آصف اور مشیر امور خارجہ سرتاج عزیز نے بھی شرکت کی۔سعودی عرب کے ولی عہد نے پاکستانی حکام کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ملاقاتوں میں کہا کہ ان کا ملک پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو انتہائی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ میرے دورہ پاکستان سے دونوں ملکوں کے تعلقات کو نئی جہت حاصل ہو گی۔ پاکستان میرا دوسرا گھر ہے۔ ہم اس کی ترقی کے لیے ہر ممکن تعاون کریں گے۔ انھوں نے آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی جنرل راشد محمود سے علیحدہ ملاقاتیں کیں۔جن میں پاک سعودی عرب دفاعی تعاون پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ ملاقات میں خطے کی سیکورٹی کی صورت حال اور پاکستان وسعودی عرب کے مابین باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو ہوئی۔ دونوں ملکوں نے دفاعی تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا۔

سعودی عرب میں امیر سلمان بن عبدالعزیز آل سعود کے حالیہ دورہ پاکستان کے بارے میں عمومی تصور یہ پایا جاتا ہے کہ اس دورے کے نتیجے میں دونوں برادر اسلامی ملکوں کے درمیان دفاعی تعاون میں مزید اضافہ کیا جائے گا۔سعودی ولی عہد امیر سلمان بن عبدالعزیز آل سعود نے اپنا دورہ پاکستان شروع کرنے سے پہلے بطور خاص خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز سے ملاقات کی۔ ان سے ضروری مشورے کیے اوراہم ہدایات حاصل کیں۔شاہ عبداللہ نے انھیں پاکستانی عوام اورحکومت کے لیے نیک تمناؤں کا پیغام دیا۔

امیر سلمان بن عبدالعزیز آل سعود نے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اور میاں محمد شہباز شریف سے بڑی تفصیلی ملاقات کی، جس میں پورے خطے میں امن وسلامتی کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ دونوں لیڈروں نے بطور خاص شام میں ہونے والی خون ریزی پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ شام میں خونریزی کے خاتمے کے لیے بشار الاسد کی جگہ نئی عبوری حکومت قائم کی جائے۔ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان سیاسی و اقتصادی تعلقات مزید بڑھانے، انھیں مضبوط بنانے اور دونوں ممالک میں توانائی' تجارت' سرمایہ کاری اور زراعت کے شعبوں میں تعاون بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں ممالک نے دو معاہدوں پر دستخط بھی کیے۔جس کے تحت سعودی عرب چترال میں ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کی تعمیر اور یوریا کھاد کی خریداری کے لیے پاکستان کو 18 کروڑ 30 لاکھ ڈالرز کی گرانٹ دے گا۔

سعودی ولی عہد جب ملاقات کے لیے وزیراعظم ہاؤس پہنچے تو میاں محمد نواز شریف نے بنفس نفیس ان کا استقبال کیا۔ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس دوران سعودی وزراء نے اپنے ہم منصب پاکستانی وزراء سے ملاقاتیں کیں اور باہمی دلچسپی کے موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔ ہمارے نزدیک سعودی ولی عہد کے اس دورے کے بڑے دور رس نتائج نکلیں گے۔ہم ان کے دورے کو نہایت اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں۔ پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات میں مزید بہتری آئے گی۔ پاکستان کی سرزمین پر ان کی تشریف آوری ہر پاکستانی کے لیے نہایت خوشگوار پیغام چھوڑ کر گئی ہے۔ پاکستانی قوم ان کے دورے کو پاکستان کے مستقبل کے لیے نیک شگون سمجھتی ہے۔آج کا اداریہ میں علامہ اقبال کے اس شعر پر ختم کرنا چاہوں گا۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

محبکم:

عبدالمالک مجاہد



قسط نمبر ②

محمد نعمان فاروقی

فرعونیت.....فرعونوں میں مماثلت اور ان کا مقابلہ

اسلام ہر دور کے فراعنہ سے ٹکرا جانے کا سبق دیتا ہے

زیرِ نظر مضمون کی پہلی قسط اگست 2011ء میں چھپی تھی۔ کسی کے پاس پہلی قسط نہ ہو تو وہ دفتر رابطہ کر کے بذریعہ ای میل یا ڈاک منگوا سکتا ہے اور اگر زیادہ ڈیمانڈ سامنے آئی تو اُسے ''نشرِ مکرر'' کے طور پر دوبارہ بھی شائع کیا جا سکتا ہے۔

فرعونوں کا مقابلہ

قرآن مجید نے اللہ کے باغیوں میں سے سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار سے اگر کسی کا ذکر کیا ہے تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون ہے۔ یہ ایک قصہ ہی نہیں بلکہ فرعونوں سے مقابلے کا ایک فلسفہ ہے۔ امت کو فرعونیت سے پالا پڑنا تھا اس وجہ سے فرعون کا ذکر بار بار کیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید کی روشنی میں امت اپنے اپنے دور کے فرعونوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کر لے۔ امت اپنا فرض ادا کرے، پھر اللہ اپنے وعدے پورے کرے گا۔ عنوان کے پہلے دو اجزا، یعنی فرعونیت اور قدیم و جدید فرعونوں میں مماثلت پر بات ہو چکی تھی۔ زیرِ نظر مضمون میں فرعونوں کا مقابلہ کرنے پر بات ہوگی۔

یہ سطور ان لوگوں کے لیے نہیں لکھی جا رہیں جنھوں نے فرعونوں کے مقابلے میں ہتھیار پھینک دیے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں ''بھلا ہم امریکہ کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟'' بلکہ اس سوچ ہی کو احمقانہ سوچ قرار دیتے ہیں۔ یا اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر کے ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہم جس دورانیے میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کریں گے تو کیا اس دوران وہ مزید ترقی نہیں کریں گے؟ اُس دور کے ان جیسے ''مسلمان دانشور'' پھر یہی کہیں گے کہ ہمیں ٹیکنالوجی میں مزید ترقی کرنا ہوگی تبھی ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے۔ دراصل یہ مسلح کشاکش سے بچنے کا ایک دلفریب بہانہ ہے۔

نہ یہ سطور اس لیے معرضِ تحریر میں آ رہی ہیں کہ انھیں محض پڑھ لیا جائے۔ یہ سطور تو ان سرفروشوں کے لیے لکھی جا رہی ہیں جو قرآن مجید کو ایک زندہ کتاب سمجھ کر دورِ حاضر کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں۔ وہ ہر محاذ پر فرعونوں اور ان کے خوشہ چینوں سے نبرد آزما رہنے کے عادی ہیں، جنھیں باطل قوتوں کا مقابلہ کرنے کا شوق ودیعت کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں فرعونوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جن صلاحیتوں، وسائل اور طریقہ کار کا ذکر یا اشارہ ہے، ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

❶ پختہ اور غیر متزلزل ایمان

فرعونوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے اہم ہتھیار ناقابلِ تسخیر ایمان ہے۔ ایسا ایمان جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی متزلزل نہ ہو۔ حوادثِ زمانہ، مدّ مقابل نظام اور عصرِ حاضر کی کوئی تجلی اس پر اثر نہ کرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بطورِ مثال پختہ ایمان کی حامل فرعون کی اہلیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا امْرَاَةَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی اہلیہ کی مثال بیان کی ہے جب اس نے کہا: میرے رب! جنت میں اپنے ہاں میرا ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کی کارستانی سے نجات دے اور ظالم قوم سے بھی مجھے نجات عطا فرما۔''



(التحریم 66:11) معیاری اور مضبوط ایمان وہی ہے جس کی موجودگی میں فرعونوں کی چکاچوند اثر دکھا سکے نہ ان کا رعب و دبدبہ غالب آسکے۔ دیکھنے میں عورت ایک صنف نازک ہے مگر یہی عورت دولت ایمان سے سرشار ہوکر اہل ایمان مردوں کے لیے بھی اللہ کے ہاں مثال بن جاتی ہے۔ قرآن مجید یا صحیح احادیث میں، میرے علم کی حد تک، یہ وضاحت نہیں ہے کہ آسیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ردعمل میں کیا سلوک کیا گیا۔ البتہ مذکورہ آیت میں یہ اشارہ ضرور ہے کہ اس نے اُس زندگی پر موت کو ترجیح دی جس میں ایمان چھننے کا خدشہ تھا۔ یہ پختہ ایمان کبھی تو فرعون کے زیر اثر رہتے ہوئے بھی حاصل ہوجاتا ہے اور کبھی نوح اور لوط علیہما السلام کی پیغمبرانہ رفاقت میں بھی پیدا نہیں ہوتا۔

اسی طرح فرعون کے جادوگر جو ایمان لے آئے تھے۔ فرعون نے انھیں دھمکیاں دیں اور کہنے لگا: ''کیا تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دیتا، البتہ یہی تمھارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے، لہٰذا میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹوں گا اور کھجور کے تنوں پر تمھیں سولی چڑھاؤں گا اور یقیناً تم جان لوگے کہ ہم میں سے عذاب دینے میں کون زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے؟'' فرعون کی اس قدر شدید وعید بھی جادوگروں کے ایمان کو متزلزل نہ کرسکی، انھوں نے بلاتردد فوراً جواب دیا: ''ہمارے پاس جو روشن دلائل آچکے ہیں ان کے ہوتے ہوئے ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے اور اس ذات پر بھی (تجھے ترجیح نہیں دیں گے) جس نے ہمیں پیدا کیا، تجھ سے جو کچھ ہوسکتا ہے وہ کرگزر.....'' (طٰہٰ 20:71-73) محض چند لمحات قبل حاصل ہونے والا ایمان جادوگروں کے سینوں میں اس قدر پختہ ہوگیا جو آج ہمارے ہاں 60,50,40,30 حتی کہ 80,70 سال میں بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ہمارا ایمان تو فرعون کے کرّ وفر کے سامنے تو کیا؟ سماج کے آگے ہی بلاتأمل گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ دراصل بات نسل در نسل مسلمان چلے آنے کی یا بعد میں مسلمان ہونے کی نہیں بلکہ بات ایمان سے تعلق کی ہے۔ ایمان سے جس قدر مضبوط ربط ہوگا اسی قدر ایمان پختہ ہوگا۔

کہا جاسکتا ہے کہ فرعونوں کے ہاتھوں جان گنوا بیٹھنا، فرعونوں سے مقابلے کی کوئی دانشمندانہ صورت نہیں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ فرعونوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کو گلے لگا کر شہادت سے سرفراز ہونا عظیم کامیابی ہے۔ فرعون اہل ایمان سے ایمان چھیننا چاہتا تھا۔ انھیں منحرف کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ انھیں ایمان سے محروم کرپاتا تو یقیناً وہ جیت جاتا، ایمان اہل ایمان کے پاس محفوظ رہا، اس لیے وہ جیت گئے اور فرعون ہار کر خائب و خاسر ہوگیا۔ باقی رہا زندگی چلی گئی یہ تو بہرحال ختم ہوجانے والی فانی چیز ہے۔ یہ تو زندگی کی سب سے عظیم رخصتی ہے جو اللہ کی راہ میں ہو۔ سچ کہا ہے۔

ستم گروں سے ہمیں بس اسی قدر کہنا ہے
یہ طوق و دار تو اہل وفا کا گہنا ہے
رگِ گلو میں بہے یا وفا کی راہوں میں
لہو تو جوئے رواں ہے، اسے تو بہنا ہے

اللہ تعالیٰ نے ان جادوگر ایمان والوں کے جرأت مندانہ الفاظ بیان کرکے ہمیں ترغیب دی ہے کہ چاہے سر کٹالیں مگر ایمان بچالیں۔ فرعونوں کا مقابلہ قوتِ ایمانی ہی سے ہوسکتا ہے۔ آخر کتنے لوگوں کو وہ سزا دیں گے یا دلوائیں گے۔ کتنی عافیاؤں کو کتنے عبدالقادر ملاؤں کو وہ سزا دلوا سکتے ہیں!! اور ظلم کی سیاہ رات کب تک مسلط رکھ سکتے ہیں؟ اور اگر تمام اہل ایمان اپنے ایمان کو جان سے بڑھ کر قیمتی سمجھ کر اسے تحفظ دیں گے تو پھر فرعون ان سے مقابلہ کیسے کرپائیں گے؟ کیونکہ پچھلی قسط میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ فرعون کو ''کانگریس'' یا ''کابینہ'' یا عوام کو ساتھ ملانے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بغیر وہ کچھ نہیں کرپاتے۔

❷ دعوتِ دین کا اہتمام والتزام

دعوتِ دین کا یہ حق ہے کہ اسے ایوانوں اور حکمرانوں تک پہنچایا جائے حتی کہ وقت کے فرعونوں تک بھی یہ دعوت پہنچنی چاہیے۔ ہمارے ہاں دعوت کا حلقہ مسجد اور اس کے خطبہ جمعہ تک یا کم از کم اپنے محلے تک محدود ہوتا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ فرعون کی اہلیہ تک دعوت کیسے پہنچی اور وہ کس طرح اس سے متأثر ہوئی۔ یہ دعوت دو جلیل القدر پیغمبروں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ذریعے پہنچی جنھیں طرح طرح کے خدشات بھی لاحق تھے۔ اس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا: ﴿اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْاَنْ یَّطْغٰی﴾ ''ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرے۔'' (طٰہٰ 45:20)



لہٰذا خدشات وخطرات کے باوجود فراعنۂ زمانہ کے گھروں تک بھی دعوت پہنچنی چاہیے تاکہ وہ اسلام کی ''مشعلیں'' بن کر جگمگا اُٹھیں۔

دعوت کی راہ ہموار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معجزے سے نوازا کہ ان کی لاٹھی اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل گئی اور جادوگر ایمان لے آئے۔ لیکن ہمیں کسی معجزے کا انتظار نہیں کرنا۔ ہمارے پاس خود ایک عظیم معجزہ موجود ہے۔ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزے ان کے ساتھ ہی چلے گئے مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ امت کے لیے باقی رکھا گیا۔ ارشاد نبوی ہے: ''مجھ سے پہلے جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے انھیں ایسی نشانیوں (معجزات) سے نوازا گیا جنھیں دیکھ کر لوگ ایمان لے آتے تھے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی جانے والی وحی سے نوازا۔ مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار ان سب سے زیادہ ہوں گے۔'' (صحیح البخاري: 4981) کیا یہ کوئی کم معجزہ ہے کہ قرآن مجید میں فرعون کے حالات پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قرآن مجید آج کے فرعونوں کی نشاندہی کر رہا ہے۔

معجزۂ وحی (قرآن و سنت) سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے نت نئے اسلوب اختیار کرنا اور غیر مسلموں تک اور ان کی اعلیٰ قیادت تک یہ دعوت پہنچانا اس دور کے اہل ایمان کا ذمہ ہے جس دور کے فرعونوں سے انھیں پالا پڑا ہے۔ مثل مشہور ہے «لِكُلِّ فِرْعَونٍ مُوسٰى» ہر فرعون کے لیے موسیٰ ہوتا ہے۔ فرعونوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے طرزِ عمل کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

فرعونوں کو جب یہ اندازہ ہوگا کہ جس دعوتِ حق سے وہ دوسروں کو بچانا چاہتے ہیں، وہ تو خود ان کے ایوانوں تک پہنچ چکی ہے تو یہ بات یقیناً ان کے لیے پریشانی کا باعث بنے گی۔ پرانے فرعون نے تو ایمان لانے والے جادوگروں کو سزا دی تھی مگر ماڈرن فرعون شخصی آزادی کے قانون کی رُو سے انھیں تو کچھ نہیں کہہ سکتے، وہ اس قانون کی پاسداری اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا بنایا ہوا ہے، مگر وہ ایمان قبول کرنے والے اپنے افراد کا غصہ امت مسلمہ پر نکالتے ہیں۔ مسلم علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ ان کی کھسیانی بوکھلاہٹ ہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

❸ میڈیا کا استعمال

قدیم دور کا میڈیا یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اکٹھا کر کے ان تک پیغام پہنچا دیا جائے اور ان کی وساطت سے وہ پیغام دور دور تک پہنچ جائے۔ اس دور میں بھی خبریں پہنچ جاتی تھیں مگر آج کل کی تیزی سے نہیں۔ چنانچہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى﴾ ''چنانچہ ہم تیرے پاس اس جیسا جادو لائیں گے، لہٰذا ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کا ایک وقت مقرر کر لے، ہم اس کی مخالفت کریں اور نہ تو (اور) جگہ بھی ہموار ہو۔'' (طٰہٰ 58:20) موسیٰ علیہ السلام نے برجستہ جواب دیا: ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ ''تمھارے وعدے کا وقت زینت (جشن) کا دن ہوگا اور لوگ (صبح) چاشت کے وقت ہی اکٹھے کیے جائیں۔'' (طٰہٰ 59:20)

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی فرمائش کو سامنے رکھتے ہوئے بلا تأمل چار اہم امور کو پیش نظر رکھا: (ا) ﴿مَوْعِدُكُمْ﴾ (تمھارے وعدے کا وقت) اس لیے فرمایا کہ اسے احساس ہو کہ یہ چیلنج تو میں نے دیا ہے اس لیے مجھے اس سے فرار نہیں ہونا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کسی اور انداز یا صورت کی پیشکش بھی نہیں کی بلکہ اسے باور کرایا کہ جو تم نے کہا ہے اور جو تمھارا مطالبہ ہے ویسا ہی ہوگا۔ (ب) ﴿يَوْمُ الزِّيْنَةِ﴾ (زینت، یعنی جشن وغیرہ کا دن) فرعون کا خیال بھی یہی تھا کہ اس موقع پر بہت سے لوگ ہونے چاہئیں تاکہ عوام خود ہی فیصلہ کریں۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے کے میڈیا کے سامنے آنے سے گھبرائے نہیں بلکہ انھوں نے اس میں اور وسعت پیدا کی اور انھی کا ایک خاص دن مقرر کر دیا جسے وہ پہلے ہی منایا کرتے تھے تاکہ ایک جم غفیر جمع ہو۔ لوگ سنی سنائی بات تک محدود نہ رہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ (ج) ﴿يُّحْشَرَ النَّاسُ﴾ (لوگ اکٹھے کیے جائیں) یہ کہہ کر موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اکٹھا کرنے اور تشہیر کرنے کی ذمہ داری بھی فرعون پر ڈال دی۔ اور یہ پابندی بھی نہیں لگائی کہ کسی خاص فکر کے حاملین ہی ہوں بلکہ لوگ اکٹھے کرو اور بے شک اپنی مرضی کے اکٹھے کرو۔ چنانچہ فرعون نے جادوگر اور ناظرین اکٹھے کیے جیسا کہ سورہ شعرآء کی 36 سے 40 تک آیات سے واضح ہے۔

(بقیہ: صفحہ نمبر 54 پر)



فضل اکبر کاشمیری

دلچسپ سچے واقعات

❶ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مشرکین سے مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ چھڑ گئی، پھر جب آپ اپنے پڑاؤ کی طرف واپس ہوئے اور مشرکین اپنے پڑاؤ کی طرف تو آپ ﷺ کی فوج کے ساتھ ایک شخص تھا، لڑائی لڑنے میں اس کا یہ حال تھا کہ مشرکین کا کوئی آدمی بھی اگر کسی طرف نظر پڑ جاتا تو اس کا پیچھا کر کے وہ شخص اپنی تلوار سے اسے قتل کر دیتا۔ سہل رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق کہا کہ آج جتنی سرگرمی کے ساتھ فلاں شخص لڑا ہے، ہم میں سے کوئی بھی اس طرح نہ لڑ سکا۔ آپ ﷺ نے اس پر فرمایا: ”وہ شخص جہنمی ہے۔“ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: اچھا میں اس کا پیچھا کروں گا (دیکھوں آپ ﷺ نے اسے جہنمی کیوں فرمایا) بیان کیا کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے دن لڑائی میں موجود رہا، جب کبھی وہ کھڑا ہو جاتا تو یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور جب وہ تیز چلتا، تو یہ بھی اس کے ساتھ تیز چلتا۔ بیان کیا کہ آخر وہ شخص زخمی ہو گیا، زخم بڑا گہرا تھا، اس لیے اس نے چاہا کہ موت جلدی آ جائے اور اپنی تلوار کا پھل زمین پر رکھ کر اس کی دھار کو سینے کے مقابلے میں کر لیا اور تلوار پر گر کر اپنی جان دے دی۔ اب وہ صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا بات ہوئی؟ انھوں نے بیان کیا کہ وہی شخص جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، صحابہ کرام پر آپ کا یہ فرمان بڑا شاق گزرا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم سب لوگوں کی طرف سے میں اس کے متعلق تحقیق کرتا ہوں، چنانچہ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس کے بعد وہ شخص سخت زخمی ہوا اور چاہا کہ جلدی موت آ جائے، اس لیے اس نے اپنی تلوار کا پھل زمین پر رکھ کر اس کی دھار کو اپنے سینے کے مقابل کر لیا اور اس پر گر کر خود جان دے دی۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی زندگی بھر بظاہر اہل جنت کے سے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ اہل جہنم میں سے ہوتا ہے اور ایک آدمی بظاہر اہل جہنم کے سے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔“

(صحيح البخاري: 2898)

❷ سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قریشی نوجوان نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ صحابہ کرام اس نوجوان کی جسارت پر بپھر گئے، اس کو سخت سزا دینی چاہی، مگر نبی کریم ﷺ نے ایک دوسرا مؤقف اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے اسے قریب بلایا اور کہا: کیا تم یہ بات اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے کہا: میری جان آپ



پر قربان ہو، اللہ کی قسم! یہ بات میں اپنی ماں کے لیے کبھی پسند نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کے بارے میں اسی طرح سوالات کیے اور ہر سوال کے بعد اس سے پوچھتے: کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟ اور وہ ہر بار یہی جواب دیتا: میری جان آپ پر قربان ہو، اللہ کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کے سر پر رکھا اور دعا کی: "اے اللہ! اس کے گناہوں کو معاف کردے، اس کے دل کو پاک فرما، اس کی شرمگاہ کو برائیوں سے محفوظ کردے۔" اس کے بعد وہ نوجوان اس طرح کی کسی برائی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ (مسند أحمد: 257/5)

③ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں نے کبھی اُس چیز کا ارادہ نہیں کیا جس کا اہلِ جاہلیت ارادہ کرتے تھے۔ زندگی میں دوبار کے علاوہ، دونوں ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچالیا۔

ایک دن میں نے اپنے ایک قریشی نوجوان ساتھی سے کہا، جو بالائی مکہ میں میرے ساتھ اپنی بکریاں چراتا تھا: تم میری بکریوں کا خیال رکھو، میں آج رات مکہ میں جاگ کر باتیں کروں گا جیسا کہ نوجوان جاگتے رہتے ہیں، تو میرے ساتھی نے کہا: جی ہاں، ٹھیک ہے۔ پھر میں نکلا، جب میں مکہ کے گھروں میں سے ایک قریبی گھر کے پاس پہنچا، پس میں نے گانے بجانے کی آواز سنی تو میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ فلاں قریشی آدمی کی فلاں عورت سے شادی ہوئی ہے۔ میں اس آواز اور گانے کی طرف مائل ہوا تو مجھ پر نیند غالب آگئی اور مجھے کسی چیز نے نہیں جگایا سوائے سورج کی تپش کے، پھر میں لوٹ گیا تو میرے ساتھی نے پوچھا: آپ نے کیا کیا؟ میں نے اس کو ساری بات بتادی، پھر دوسری رات بھی میں نے ویسے ہی کیا، میں (مکہ کی طرف) نکلا تو میں نے اسی قسم کی آوازیں سنیں اور مجھ سے وہی کہا گیا جو پہلے کہا گیا تھا۔ میں اس آواز کی طرف مشغول ہوا ہی تھا کہ مجھ پر نیند غالب آئی میری آنکھ لگ گئی اور مجھے نہیں جگایا مگر سورج کی تپش نے پھر میں اپنے ساتھی کی طرف لوٹا اس نے کہا کہ آپ نے کیا کیا؟ میں نے بتلایا کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اس کے بعد دوبارہ کبھی میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شرفِ نبوت سے سرفراز فرمادیا۔''

(صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان: 169/14)

④ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عرب لوگ سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کیا کرتے تھے، ایک بار ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک شخص تھا جو ان کی خدمت کیا کرتا تھا، یہ دونوں سوگئے جب جاگے تو خادم نے ان کے لیے کھانا تیار نہیں کیا تھا، تو ان دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ خادم تو نبی کی طرح سو رہا ہے اور اسے جگا دیا۔ پھر انھوں نے اس خادم سے کہا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے عرض کرو کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور وہ سالن مانگ رہے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں کو (بھی) سلام کہہ دو اور کہو کہ وہ دونوں تو سالن کے ساتھ کھانا کھا چکے ہیں۔'' (یہ سن کر) وہ دونوں پریشان ہوگئے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! ہم نے آپ سے سالن مانگنے کے لیے بندہ بھیجا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ وہ دونوں سالن کھا چکے ہیں، کس چیز سے ہم نے بطور سالن کھانا کھایا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کے گوشت سے.....اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں اس کا گوشت تم دونوں کی کچلیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔'' تو دونوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہی تمھارے لیے مغفرت طلب کرے۔''

(المختارة للمقدسی: 292/2)

⑤ اُم ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غزوۂ بدر کے لیے نکلے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اپنے ساتھ غزوہ میں چلنے کی اجازت دیجیے، میں آپ کے مریضوں کی دیکھ بھال کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمادے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھر میں ٹھہری رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت عطا فرمائے گا۔'' آپ کو شہیدہ کہا جاتا تھا، آپ نے قرآن مجید پڑھ رکھا تھا۔ (شرح



زاد المصتقنع للشنقیطی: 348/9)

❻ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بابرکت مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی اس کشادہ راستے سے تمھارے سامنے ایک جنتی شخص ظاہر ہوگا۔'' پھر انصار میں سے ایک شخص آیا، اس کے وضو کا پانی اس کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔ اپنی جوتیاں اپنے بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے تھا، اس نے سلام کیا۔

اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فرمایا اور وہی شخص اپنی پہلی حالت کی طرح دوبارہ آیا۔ تیسرے دن پھر نبی ﷺ نے اسی طرح فرمایا اور وہ شخص اسی طرح سہ بارہ آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مجلس سے اٹھے تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس شخص کے پیچھے پیچھے چل دیے اور ان سے (بطورِ امتحان) کہا: میری اپنے والد سے کچھ ناراضی ہوگئی تو میں نے قسم کھائی کہ میں تین دن تک ان کے سامنے نہیں آؤں گا۔ اگر آپ ان تین دنوں تک مجھے اپنے ہاں ٹھہرانا چاہیں تو ٹھہرالیں۔

ان صاحب نے فرمایا: ہاں! سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بتایا کرتے تھے کہ وہ ان کے پاس تین راتوں تک ٹھہرے رہے، انھوں نے اس انصاری شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ رات کو قیام کرتے ہوں نماز پڑھتے ہوں، ہاں البتہ رات کو جب ان کی آنکھ کھلتی اور اپنے بستر پر کروٹ بدلتے تو اللہ کا ذکر کرتے اور تکبیر کہتے یہاں تک کہ صبح نماز فجر کے لیے اٹھتے اور یہ بھی کہ وہ سوائے بھلی بات کے کچھ نہ کہتے۔ جب تین راتیں اسی طرح گزر گئیں، قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو حقیر جانتا، میں نے ان سے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کسی قسم کی ناراضی تھی نہ ہی جدائی، لیکن میں نے تین مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''ابھی تمھارے درمیان ایک جنتی شخص ظاہر ہوگا۔'' تینوں ہی بار آپ تشریف لائے۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ کے ہاں ٹھہروں اور دیکھوں کہ آپ کیا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کو یہ مقام ملا تو میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ بہت زیادہ عمل کرتے ہوں، آخر کس چیز نے آپ کو اس مقام پر پہنچایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے متعلق یہ فرمایا۔ انھوں نے جواب دیا: ایسا کچھ نہیں سوائے اس کے جو آپ نے ملاحظہ فرمایا! عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس سے واپس چل پڑا تو انھوں نے مجھے بلایا اور کہا: بس یہی تھا جو آپ نے دیکھا، ہاں البتہ میں اپنے دل میں کسی بھی مسلمان کے لیے بغض نہیں رکھتا اور نہ ہی اللہ کی عطا کردہ کسی خیر پر اس سے حسد کرتا ہوں۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات ہے جس کا آپ کو یہ صلہ ملا، اور یہ بات ہے جس کی طاقت نہیں پائی جاتی۔ (مسند أحمد:166/3)

❼ بنی اسرآءیل میں ایک عابد تھا، ساٹھ سال اسے عبادت الٰہی میں گزر چکے تھے۔ شیطان نے اسے ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا، اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں، ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اس عابد سے ہوسکتا ہے، یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے، اس نے علاج معالجہ، یعنی دم وغیرہ کرنا شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی۔ ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا تو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنا شروع کیے یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتلائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا، چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا، وہ دوڑے ہوئے آئے۔ شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا: وہ لوگ آرہے ہیں، اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی، اگر مجھے خوش کرلے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں۔ اس نے کہا: جس طرح تو کہتا ہے میں کرنے کو تیار ہوں۔ شیطان نے کہا: مجھے سجدہ کر، عابد نے اسے سجدہ کرلیا۔ یہ کہنے لگا: تف ہے تجھ پر کم بخت! میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے۔ (مستدرك حاكم: 2/484، وابن جرير والسياق له، قال الحافظ زبيرعلى زئى سنده حسن)

❁❁❁❁



تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت

احادیث کی روشنی میں

ابوعبداللہ محمد شعیب حفظہ اللہ

موت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے کس کو مفر ہے؟ مسلم تو مسلم غیر مسلم بھی اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان تو اس موت کے بعد ایک اور زندگی کو مانتا ہے جہاں اس دنیا میں کیے جانے والے اعمال کی جزا و سزا کا عظیم مرحلہ پیش آنے والا ہے جو آ کر رہے گا۔ جبکہ غیر مسلم کی سوچ اس جہان تک محدود ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ موت ہر لحاظ سے زندگی کی انتہا ہے آگے اور کوئی جہاں نہیں۔

جس طرح موت ایک اٹل حقیقت ہے اسی طرح موت زندہ انسان کے لیے سب دکھوں اور تکلیفوں سے بڑھ کر بڑا دکھ اور تکلیف بھی ہے۔ اور تسلی دے کر اس دکھ کو کم کرنے کی کوشش کا نام تعزیت ہے۔ تعزیت شرعی حکم اور سنت نبوی ہے، چنانچہ ارشادِ نبوی ہے: «مَنْ عَزّٰى أَخَاهُ الْمُؤْمِنَ مِنْ مُصِيبَةٍ كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةً خَضْرَاءَ يُحْبَرُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا يُحْبَرُ؟ قَالَ: يُغْبَطُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''یعنی جو آدمی اپنے مومن بھائی سے اس کی کسی مصیبت پر تعزیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت ایسا سوٹ پہنائے گا جس کی وجہ سے اس پر رشک کیا جائے گا۔''

(تاریخ بغداد: 397/7، واحکام الجنائز، ص: 206)

مگر یہ کیا دلچوئی ہوئی کہ آپ صرف زندہ آدمی سے، جس کا یہ دُکھ بہرحال عارضی ہے، چند تعزیتی کلمات کہہ کر آجائیں اور اس کی وہ میت جو ابدی زندگی کی طرف منتقل ہو چکی اور بے بس و لاچار ہو چکی اُس کے لیے بخشش و دعا کے چند کلمات بھی نہ کہیں جبکہ وہ بے بس و لاچار میت اس زندہ سے تعزیت کی نسبت دعا کی کہیں زیادہ محتاج ہے، اس لیے آپ ان دونوں کے لیے دعا کریں، جیسا کہ شیخ البانی اپنی عظیم کتاب احکام الجنائز میں تعزیت کا مستقل باب قائم کر کے اس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «وَهِيَ الْحَمْلُ عَلَى الصَّبْرِ بِوَعْدِ الْأَجْرِ، وَالدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ وَالْمُصَابِ» ''یعنی تعزیت کا معنیٰ ہے اجر و ثواب کے وعدے کے ذریعے مصیبت زدہ کو صبر و تحمل پر آمادہ کرنا اور میت و مصیبت زدہ (اہل میت) کے لیے دعا کرنا۔''

(احکام الجنائز، ص: 205) اہل میت کے ہاں جا کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے ہم گریزاں کیوں ہیں؟ بظاہر اس کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں: ① اس بارے میں کسی حدیث کا سامنے نہ ہونا۔ ② کچھ اور لوگوں کا، جنھیں ہم ٹھیک نہیں سمجھتے، اس پر سختی سے عمل کرنا۔ ③ اگرچہ بہت سے علماء اس کے قائل ہیں مگر چونکہ ہمارے عام علمائے کرام اس دعا کے قائل نہیں اس لیے اعتراض سے بچنے کی خاطر خود دعا کرنا تو کجا اس میں شریک ہونے سے بھی بچنے میں ہی عافیت سمجھنا۔

یہ بظاہر تین وجوہات ہیں جو اس دعا میں رکاوٹ سی بنی ہوئی ہیں۔ مگر جب ٹھنڈے دل سے، تعصب سے بالا ہو کر اور تلاشِ حق کی خاطر ان میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاص وجہیں نہیں جو ہمیں ثواب سے اور میت کو بخشش و مغفرت کی دعا سے محروم رکھیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پہلی وجہ، یعنی اس بارے میں کسی حدیث کا سامنے نہ ہونا، تو یہ بات مبنی بر حقیقت نہیں کیونکہ کتب احادیث میں اس بارے میں چند ایک احادیث ملتی ہیں اور یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت کے لیے ایک حدیث بھی کافی ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ صحیح یا حسن ہو، جیسا کہ رکوع کے بعد قیام کی دعا «حَمْداً كَثِيْراً طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ» کے بارے میں ایک ہی حدیث ملتی ہے اور وہ بھی صرف مقتدی کے لیے مگر ہے صحیح،



اس لیے ہمارے ہاں مقبول ہے، نیز اہل میت کے لیے کھانا تیار کرنے کے بارے میں بھی ایک ہی حدیث ملتی ہے جو معمول بہا ہے، اسی طرح اور بھی کئی مسائل ایسے ہیں جن کے ثبوت کے لیے صرف ایک ہی حدیث موجود ہے۔

تو اس مسئلہ میں پہلی حدیث نبوی ملاحظہ فرمائیے جو صحیح مسلم میں ہے۔ سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک صحابی رسول سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا اور اپنے جوش ایمانی سے انھوں نے خود اس کا اعتراف بھی کرلیا بلکہ اینٹوں اور پتھروں سے رجم ہونے کے لیے اپنے آپ کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کردیا۔ آپ ﷺ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دیا اور وہ رجم کردیے گئے، تو اس بارے میں صحابہ کرام کے دو ذہن ہوگئے۔ بعض نے اس جرأت پر اُسے دادِ تحسین دی، جبکہ بعض نے اس فعل کو اچھا نہ جانا «فَلَبِثُوا بِذَالِكَ يَوْمَيْنِ أَوْثَلَاثَةً، ثُمَّ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَهُمْ جُلُوْسٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: اِسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ: فَقَالُوْا: غَفَرَاللّٰهُ لِمَاعِزِ ابْنِ مَالِكٍ» ''پھر وہ اسی کشمکش میں دو یا تین دن رہے، پھر اللہ کے رسول آئے اس حال میں کہ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے السلام علیکم کہا، پھر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ''ماعز بن مالک کے لیے بخشش ومعافی کی دعا کرو۔'' حاضرین نے دعا کرتے ہوئے کہا: یاباری تعالیٰ! ماعز بن مالک کو بخشش و معافی سے نواز دے۔'' (صحیح مسلم: 1695) یہ ہے اصل صحیح حدیث، اب آپ خود سوچیے کہ آپ ﷺ کا ان کے پاس جانا، سلام کہنا، پھر خود حاضرین میں بیٹھ جانا اور کہنا میت کے لیے سب دعا کرو، یہ سب چیزیں کس بات پر دلالت کررہی ہیں؟ کیا اس سے ثابت نہیں ہورہا کہ اہلِ میت کے ہاں جاکر حاضرین کو میت کے لیے دعا کرنے کا کہہ سکتے ہیں، اور جب اُن کو دعا کرنے کا کہیں گے، درخواست کریں گے تو کیا آپ خود اس دعا میں شامل نہیں ہوں گے؟

اسی دعا کے بارے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں جس میں اس دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے: راوی حدیث سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے اور میرے چچا ابوعامر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ میں بھیجا۔ میرے چچا اس جنگ میں جامِ شہادت نوش کرگئے۔ شہید ہوتے وقت انھوں نے مجھے امیرِ لشکر بنادیا اور کہہ گئے: بھتیجے! اللہ کے نبی کو میرا سلام پہنچانا اور ان سے کہنا: میرے لیے بخشش کی دعا کردیں، کہتے ہیں: جنگ سے واپسی پر میں حاضر ہوا اور چچا جان ابوعامر کی بخشش کے لیے دعا کی درخواست پیش کی۔ حدیث کے الفاظ ہیں: «فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ.....» '' آپ ﷺ نے پانی منگوایا، اس سے وضو کیا، پھر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! اپنے بندے ابوعامر کو معاف کردے۔'' آپ ﷺ نے ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ میں نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی، پھر آپ ﷺ نے (مزید دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! روز قیامت اسے اپنی بہت سی مخلوق سے اونچا مقام عطا کرنا یا لوگوں سے اونچا مقام و مرتبہ عطا فرمانا۔'' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (موقع غنیمت جانتے ہوئے) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی بخشش کی دعا فرمادیجیے! تو نبی کریم ﷺ نے (میرے لیے بھی دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف فرمادے اور روز قیامت اسے باعزت داخلے کی جگہ میں داخل فرمانا۔'' (صحيح البخاري: 4323) آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نہ صرف عام میت بلکہ شہیدِ معرکہ کے لیے بھی آنحضور ﷺ نے خوب خوب ہاتھ پھیلا کر دعائے مغفرت فرمائی اور میت کے لیے دعا کے ساتھ اہل میت کے لیے بھی دعا فرمائی۔

اس حدیث کے بارے میں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ دعا تو صحیح ہے ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہوگیا مگر یہ تو ایک وصیت و درخواست کی دعا تھی۔ چلیے ایسے ہی مان لیجیے کہ اگر میت کی وصیت ہو تو اس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جاسکتی ہے، اب اگر میت کو یہ معلوم ہو کہ معمولی سی وصیت کرنے سے اس کے لیے نہ جانے کتنی دعائیں اور التجائیں ہوں گی، علماء، خطباء، صلحاء، قراء اور حفاظ آئیں گے اور دعا کرکے جائیں گے تو وصیت کے یہ چند الفاظ ادا کرنے میں بشرط مہلت کون سستی کرے گا؟

اور پہلی حدیث کے بارے میں بعض علماء یہ



کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر تو ہے کہ آنحضور ﷺ لوگوں کے پاس گئے جو اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے سلام کہا اور بیٹھ بھی گئے اور دعا کرنے کا کہا، مگر یہ صراحت نہیں کہ یہ میت کا گھر تھا یا کوئی اور مقام، یعنی وہ مانتے ہیں کہ دعا تو ہوئی ہے مگر یہ لوگ کہاں تھے معلوم نہیں، کسی حویلی میں بیٹھے تھے، کسی چوک میں جمع تھے یا دکان پر اکٹھے ہوئے تھے، یعنی یہ جگہیں اور اس طرح کی دوسری جگہیں تو مانی جاسکتی ہیں مگر اسے میت کا گھر ماننا مشکل ہے، یعنی ان سب جگہوں میں تو آپ کا جانا بیٹھنا اور میت کا نام لے کر دعا کا کہنا تو ممکن ہے، مگر دو روز قبل فوت ہونے والی میت کے اہل خانہ کے ہاں جانا کسی طرح ممکن نہیں۔ واہ سبحان اللہ۔

ٹھیک ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ کسی میت کی تعزیت کے لیے جائیں تو وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرسکتے، البتہ وہاں سے اٹھ کر آپ آرہے ہیں کسی حویلی، کسی چوک یا دکان پر کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو وہاں آکر آپ ان سے اس میت کے لیے دعا کرسکتے اور کرا سکتے ہیں۔

تو محترم! آپ نے اس صورت و کیفیت پر کیوں عمل نہ کیا؟ اسے کیوں چھوڑے رکھا؟ یہ تو آپ کے ہاں ثابت شدہ مسئلہ تھا، عمل سے کیا چیز مانع رہی؟ چلیے اس سے پہلے جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا اب ہی یہ دعا شروع کردیجیے شاید اس سے کسی بے بس و لاچار اور محتاجِ دعا میت کے لیے خلاصی کی کوئی راہ بن جائے یا اس کا کوئی فائدہ ہوجائے۔

اب اس دعا کے بارے میں ایک تیسری حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے جسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احکام الجنائز کے بَابُ التَّعْزِيَةِ میں ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اس بارے میں تیسری حدیث آپ ﷺ کی وہ دعا ہے جو آپ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جاکر کی اور فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِيْنَ، وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ! وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْلَهُ فِيْهِ» یعنی ''اے اللہ! ابوسلمہ کو بخشش ومغفرت سے نواز، ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کے درجات بلند فرما اور اس کے بعد اس کی باقی ماندہ اولاد کے امور سنبھال لے، اے رب العالمین! ہمیں اور اس میت کو بخش دے اور اس کی قبر کو اس کے لیے وسیع کردے اور اسے منور فرما۔'' (صحیح مسلم:920، واحکام الجنائز، ص:208) یہ حدیث اس بارے میں بہت واضح ہے اور روایت بھی صحیح مسلم کی ہے۔ اب تو کوئی اشکال باقی نہیں رہنا چاہیے، شاید اسی لیے بہت سے علمائے کرام اس دعا کے قائل ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک عالم دین کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے، یہ عالم دین لکھوی خاندان کے ہیں۔

کسی کے گھر جھانکنا

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَفَقَئُوا عَيْنَهُ فَلَادِيَةَ لَهُ وَلَاقِصَاصَ» ''اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکتا ہے، اسی دوران گھر والے اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو اس آدمی کے لیے نہ تو دیت ہے اور نہ ہی قصاص۔''

(صحیح مسلم: 2158، وسنن النسائي: 4864)

حافظ آباد کی سوغات
سپیشل مردانہ گرم چادریں
عمدہ اور نفیس رنگوں میں .....
تیار کردہ
حافظ کلاتھ ہاؤس ڈاکخانہ روڈ، حافظ آباد
054-7520829



اباجان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ تعزیت کے لیے گھر تشریف لائے۔ طارق بھائی اور میں ان کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے تعزیتی کلمات ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ ''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو تعزیت کے موقع پر دعا کو جائز نہیں سمجھتے، اگر یہ عمل محض رسم نہ بنادیا جائے تو تعزیت کے وقت خلوص دل سے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے۔'' پھر انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور پوری عاجزی و انکساری کے ساتھ ابا جان کے لیے دیر تک مغفرت کی دعائیں کرتے رہے۔ اس واقعہ کے راوی حکیم عبدالرحیم اشرف کے فرزند ارجمند ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب ہیں اور یہ واقعہ ماہانہ علم و آگہی کے شمارہ 131 ص:22 پر مذکور ہے۔

مذکورہ روایت مل جانے کے بعد دعا سے گریز کرنے کی پہلی وجہ، یعنی کسی حدیث کا سامنے نہ ہونا، تو ختم ہوگئی۔ اب باقی دو وجوہات کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ کون انھیں مانتے ہوئے سرتسلیم خم کرتا ہے اور دعا کرتا ہے اور کون ان میں تاویلیں کرتے ہوئے اس دعائے میت سے گریز کرتا ہے۔

اب آخر میں اس دعا کے بارے میں ایک نقلی نہیں بلکہ صرف عقلی اعتراض بھی سن لیجیے اور اس کا جواب بھی ملاحظہ فرمالیجیے، وہ یہ کہ بعض علماء کہہ دیتے ہیں کہ دعا تو ثابت ہوگئی مگر دیکھیے! جہاں اہل میت بیٹھے ہوتے ہیں وہاں حقے کا دور چل رہا ہوتا ہے، سگریٹ نوشی ہو رہی ہوتی ہے، اخبار پڑھے جا رہے ہوتے ہیں، کچھ لوگ گپیں ہانکنے میں مگن ہوتے ہیں، کیا اس حال میں یہاں یہ بار بار دعا اچھی لگتی ہے؟

ذرا غور فرمائیے! مانا کہ یہ خرابیاں ایسے ہی موجود ہیں، مگر دیکھیے یہ خرابیاں کیوں آئیں اور یہ خامیاں یہاں کیسے پیدا ہوگئیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے دعا چھوڑ دی اور لوگ فراغت کے ان اوقات و لمحات کو گزارنے کے لیے مذکورہ امور کی طرف چلے گئے؟ پھر ان قباحتوں کو دیکھ کر مسنون کام ترک کر بیٹھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ سنت کو چھوڑنے کی بجائے ان قباحتوں کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کیجیے اور اپنی اپنی ہمت کے مطابق اس نیک کام میں حصہ دار بنیے، آپ کے ہاں کوئی فوت ہوجائے تو اپنے گھر کا خاص خیال رکھیے کہ یہاں کوئی ایسا کام یا اس کا ذریعہ نہ پایا جائے جو دعا میں کسی طرح سے رکاوٹ پیدا کرے، ان ساتھیوں کو یہ سمجھائیے کہ کہاں یہ موت جیسے سانحہ پر آپ کا بیٹھنا، پھر یہ حقہ اور سگریٹ نوشی کا دور کہاں کی عقلمندی ہے۔ حقہ و سگریٹ تو ویسے ہی حرام ہیں تو اپنی آخرت اور قبر کو یاد کرنے کی بجائے اس حرام کام کا ارتکاب آخرت سے غفلت و بے نیازی کی کیسی قبیح مثال ہے، اس لیے آئندہ کبھی ایسی جگہ پر کوئی حقہ نہ رکھا جائے اور نہ کوئی سگریٹ نوشی کی کوشش کرے۔

اخبارات پڑھنے کی بجائے وہاں کوئی دینی کتاب رکھ دیجیے، جو آخرت کے احوال پر مشتمل ہو تاکہ کسی پڑھے لکھے آدمی کو بھی فراغت کے یہ لمحات گزارنے آسان ہوجائیں اور اپنی آخرت پر غور کرنے کا موقع بھی میسر آجائے جس سے دہرا فائدہ ہوگا بلکہ ایک تیسرا فائدہ بھی ہوگا، یعنی دعا میں شریک ہونا آسان ہوجائے گا۔

پھر یہ بھی خیال رہے کہ آنے والا جو آدمی دعا کا کہے گا وہ ایک درخواست اور عرض ہوگی جسے پورا کرنا آپ کے فائدہ میں بھی ہے اور میت کا بھلا بھی مگر اسے لازم نہ سمجھا جائے کیونکہ درخواست آخر درخواست ہی ہے لازم نہیں ہوتی۔ خواہ مغیث کے بارے میں بریرہ کو درخواست نبوی ہی کیوں نہ ہو، اس لیے جب ہمت ہو طبیعت آمادہ ہو تو دعا میں شریک ہوجائیے اور اگر ایسا نہیں تو دعا کرنے والوں کے پاس فارغ بیٹھنا بھی کوئی گناہ نہیں۔

ابھی اوپر آپ نے مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ کے الفاظ ''اگر یہ عمل محض رسم نہ بنادیا جائے'' پڑھے، اس دعا کے رسم بنالینے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مثلاً تین چار آدمی اکٹھے پہنچتے ہیں۔ سلام کہنے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں، پھر دعا کی درخواست ہوتی ہے تو سب باری باری یہ درخواست کرتے ہیں جس کا مقصد شاید حاضری لگوانا ہوتا ہے؟ جب آپ آئے ہیں تو لوگوں کی نظروں میں آپ کی حاضری ہوچکی ہے۔ دعا کے لیے ایک آدمی کا کہنا بھی کافی ہے تاکہ دعا میں کچھ اطمینان و سکون اور عاجزی زیادہ ہو جو میت کے حق میں یقیناً فائدہ مند ہے۔

دعائے میت کے بارے میں یہ چند معلوماتی باتیں پیش کردی گئی ہیں۔ انصاف کے ساتھ ان میں غور کیجیے اور اپنے عمل کا جائزہ لے کر اصلاح کی کوشش کیجیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے، آمین۔

قومی اداروں کی نجکاری

چند تلخ حقائق اور شرعی حکم

حافظ عبدالسمیع







اسلام میں ذاتی، شخصی ملکیت اور قومی ملکیت دونوں کا تصور موجود ہے۔ حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ دونوں طرح کی ملکیت کا تحفظ یقینی بنائے، انھیں پھلنے پھولنے کے مواقع میسر کرے اور انھیں نقصان و خسارے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اسی طرح ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذاتی ملکیت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ قومی اثاثوں کی بھی حفاظت کرے۔ ناگزیر حالات میں چند قیود و ضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے حکومت سرکاری اثاثوں کی نجکاری بھی کرسکتی ہے۔

ذیل میں نجکاری کا مفہوم اور شرعی حکم ذکر کیا جاتا ہے:

نجکاری کا مفہوم

نجکاری یا پرائیویٹائزیشن جدید سیاست و معیشت کی ایک معروف اصطلاح ہے، اقتصادی اور اجتماعی خدمات سے متعلق سیکٹر کو حکومتی ملکیت سے فرد یا افراد کی نجی ملکیت میں منتقل کرنے کو نجکاری کہتے ہیں۔

شرعی حکم

نجکاری کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں علما کا اختلاف ہے مگر تفصیلی دلائل کی روشنی میں ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کہ ناگزیر حالات میں مخصوص قواعد وضوابط کے تحت قومی اثاثوں کی نجکاری جائز ہے۔

قومی اثاثوں کی نجکاری کے لیے قواعد وضوابط

① اس کام کے لیے ماہرین کی ایک ایسی ٹیم کا انتخاب کیا جائے جو محبِّ وطن ہو اور ان میں اسلامی اخلاق واقدار موجود ہوں۔ وہ پوری دیانتداری کے ساتھ اس بات کا جائزہ لیں کہ جن اداروں کی نجکاری کی جانی ہے کیا وہ واقعتاً خسارے میں ہیں اور قومی خزانے پر مستقل بوجھ ہیں۔

یہ ٹیم اس بات کا بھی جائزہ لے کہ ان اداروں کی نجکاری ذاتی مفادات کی خاطر تو نہیں کی جارہی؟ نجکاری کے علاوہ ان اداروں کی بہتری کی کوئی اور صورت ممکن ہے یا نہیں۔

اگر وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ قومی مفادات کی خاطر ان اداروں کی نجکاری ناگزیر ہے تو سب سے پہلے ان اداروں کے اثاثوں کا غیر جانبدارانہ آڈٹ کیا جانا چاہیے۔ اس کے لیے دنیا کی معروف فرموں کی خدمات حاصل کی جانی چاہئیں۔ اور ان کی اصل مالیت واضح اور شفاف انداز میں سامنے آنی چاہیے۔

② نجکاری کے عمل میں صرف کاروبار بیچے جائیں اور اگر ریاستی اداروں کے پاس انتہائی قیمتی رئیل اسٹیٹ اور دوسرے غیر متعلقہ اثاثے بھی ہیں تو انھیں فروخت نہ کیا جائے یا ان کی فروخت کاروبار سے علیحدہ ہونی چاہیے۔

③ جن اثاثوں کی نجکاری کرنی ہے، انھیں چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا جائے، ہر حصے کی اہمیت کے پیش نظر اس کی الگ الگ قیمت مقرر کی جائے، تاکہ چھوٹے سرمایہ کاروں کو بھی انھیں خریدنے کا موقع مل سکے۔

④ نجکاری کے عمل کے دوران ایسی شقیں رکھی جائیں جن کے ذریعے بقایا جات کا حصول



بروقت، قطعی اور یقینی ہو۔

⑤جن اداروں کی نجکاری مطلوب ہے ان اداروں میں موجود ملازمین کو بھی نجکاری کے عمل میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے کہ اگر وہ کمپنی کے کچھ شیئرز خریدنا چاہیں تو خرید سکتے ہیں۔

⑥اداروں میں موجود محنتی، ایماندار کارکنوں اور ورکرز کے متعلق ایسا ضابطہ اخلاق طے کیا جائے جس سے ان کے روزگار کا تحفظ یقینی ہوتا کہ انھیں کسی قسم کی معاشی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور امن وامان کی فضا قائم رہ سکے۔البتہ بددیانت، نااہل اور کرپٹ ملازمین کو نکالا جانا چاہیے۔

⑦غیر مسلم افراد کو قومی اثاثے نہ فروخت کیے جائیں۔اسی طرح غیر ملکی سرمایہ داروں کے بجائے وطنِ عزیز کے باشندوں کو موقع دیا جائے۔

⑧ایسی کمپنیوں کے ساتھ بھی نجکاری نہ کی جائے جن کی طنابیں پاکستان کی دشمن قوتوں سے مل سکتی ہوں.....اور جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح چپکے چپکے ہمارے وسائل پر قابض ہوسکتی ہوں، ورنہ تھوڑے خسارے سے بچنے کے لیے زیادہ خسارے کا منہ دیکھنا پڑسکتا ہے۔

⑨ نجکاری کے عمل سے حاصل ہونے والی رقم کو پوری دیانتداری کے ساتھ قومی مفادات کی خاطر اہم اجتماعی اور ترقیاتی کاموں میں صرف کیا جائے۔

⑩مشہور کالم نگار ڈاکٹر منظور اعجاز صاحب لکھتے ہیں کہ ''جن اداروں کی نجکاری کی جارہی ہے ان میں بہت سے ایسے ادارے ہیں جن کی منڈی میں اجارہ داری ہوگی۔ ان میں پٹرول، گیس اور بجلی کی پیداکار اور تقسیم کنندہ کمپنیاں شامل ہیں۔ ان میں ہر اکائی کی اپنی مخصوص منڈی میں اجارہ داری ہوگی۔مثلاً اگر لاہور سپلائی کمپنی کو نجی سیکٹر میں دے دیا جائے تو اس کی اپنے علاقے میں اجارہ داری ہوگی کیونکہ کوئی اور کمپنی اس علاقے میں بجلی فراہم نہیں کرسکتی۔اس لیے یہ اجارہ دار کمپنیاں اپنی من مانی قیمت مقرر کر سکتی ہیں۔ اس کی روک تھام کے لیے مضبوط قسم کا ریگولیٹری نظام ہونا چاہیے جو ان کمپنیوں کی لاگت کو مدنظر رکھتے ہوئے منافع کی شرح کا تعین کرے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی ان سیکٹروں میں اجارہ داری ہے لیکن مضبوط ریگولیٹری ادارے ان کے منافع کا تعین کرتے ہوئے قیمت مقرر کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔(نوائے وقت:19/2/2014)

ان شرائط وضوابط کا خیال رکھتے ہوئے قومی اثاثوں کی نجکاری کی جاسکتی ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئین کے سامنے یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ یہ قومی ادارے جو بین الاقوامی شہرت کے حامل اور نہایت نفع مند تھے، آخر یہ خسارے میں کیوں پڑ گئے؟کیا ان کے ذمہ داران کا احتساب کیا گیا ہے؟

اداروں کی تباہی کے اسباب

قومی ملکیت میں کام کرنے والے اداروں کی تباہی بظاہر مینجمنٹ کی غلط پالیسیوں اور سیاسی بنیاد پر بے شمار بھرتیوں، خورد برد، کرپشن اور انتظامی اصولوں سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل(ر)عبدالقیوم (جو2004 سے2006 تک سٹیل ملز پاکستان کے چیئرمین تھے) لکھتے ہیں:''تقریباً ہر حکومت نے اس ادارے کو اپنی سیاسی بھرتیوں کا گڑھ سمجھا، فرنٹ مینوں کے ہاتھوں لوٹا، سٹیل ملز سے تنخواہ لینے والے سیکڑوں آؤٹ سائیڈر کراچی کی سیاسی پارٹیوں کے دفتر میں کام کرتے تھے، سارے لوہے کے پتنگ سٹیل ملز سے بنتے، یونین ورکرز کے لبادے میں بہت سے لوگوں نے ملز کی سیکڑوں گاڑیاں اور ٹیلی فون بے جا استعمال کیے۔ سٹیل ملز کی بسیں بھٹو صاحب کی برسی پر سیکڑوں میل دور لاڑکانہ تک سیاسی کارکنوں کو اٹھا کر جاتی رہیں، خام مال کے سودے ہوں یا بحری جہازوں کا فریٹ، سکریپ بیچنے کی بات ہو یا فالتو پرزے منگوانے کے لیے ٹینڈر کا قصہ ہو۔سب نے مل کر اس قومی سطح کے سب سے بڑے ادارے کو بے رحمی سے لوٹا۔دکھ کی بات ہے کہ احتساب کے کٹہرے میں کسی کو کھڑا نہیں کیا گیا۔ ایک چیئرمین پابند سلاسل ہے لیکن اس کو استعمال کرنے والی سیاسی جماعت (MQM)دوبارہ اقتدار میں آنے کی تیاری میں ہیں ان پر قانون کی کوئی گرفت نہیں۔ (نوائے وقت:4/2/2014)

کرپٹ افسران کا محاسبہ

قومی اداروں کے تباہی کے ذمہ داران کا کڑا احتساب کیا جائے، کرپشن ثابت ہونے پر بڑے سے بڑے چیف ایگزیکٹو کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے تو یہی ادارے بہت جلد نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں بلکہ



ماضی کی طرح قومی آمدنی کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

جنرل (ر) عبدالقیوم لکھتے ہیں:

''1999 میں میاں نواز شریف صاحب نے ECC کی ایک میٹنگ میں سٹیل ملز کی Restructuring کا فیصلہ کیا جس کو 2000ء میں پرویز مشرف حکومت نے عملی جامہ پہنایا جس سے سٹیل ملز کے حالات کچھ بہتر ہوئے۔ اس وقت سٹیل ملز 19 ارب روپے کی مقروض تھی جس میں سے 12 ارب روپے اس کو ادا کرنے تھے اور باقی 7 ارب روپے جو خالص سود تھا وہ مؤخر کر دیا گیا۔ جنوری 2004ء میں جب میں سٹیل ملز پہنچا تو یہ ادارہ 7.68 ارب روپے کے قرضے کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ 13 دسمبر 2006ء کو جب میں سٹیل ملز سے سبکدوش ہوا تو اس کے سارے قرضے اتارنے کے بعد سٹیل ملز میں 6 ارب روپے کا خام مال 4 ارب روپے کا تیار مال 2 ارب روپے کے فالتو پرزے اور 10 ارب روپے بینک میں بچت کی شکل میں موجود تھے۔ حکومت کو 6 ارب روپے کا تاریخ میں پہلی دفعہ انکم ٹیکس اور کوئی 12 ارب روپے سیلز ٹیکس کی ادائیگی اس کے علاوہ تھی۔ آج سٹیل ملز کا مجموعی خسارہ 87 ارب اور کل قرضہ 106 ارب روپے ہو چکا ہے۔'' (نوائے وقت: 4/2/2014)

بہر حال حکومت کی ذمہ داری ہے کہ کرپٹ افراد کا محاسبہ کیا جائے اور انھیں عبرتناک اور کڑی سزائیں دی جائیں۔

اگر قومی اداروں کی نجکاری ناگزیر ہے تو.....؟

اس صورت حال میں ان اداروں کی فروخت کوئی آسان کام نہیں۔ بہر حال اگر ان کی نجکاری کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو یہ کام نہایت شفاف طریقے سے انجام دیا جانا چاہیے۔ یہ عمل اتنا شفاف ہونا چاہیے کہ کوئی اس پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ پرویز مشرف اور شوکت عزیز کی حکومت نے بھی سٹیل ملز کی فروخت کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کی قیمت مضحکہ خیز حد تک کم رکھی گئی۔ ملز کی اراضی کو حساب میں رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ خریدار کو یہ عظیم ادارہ مفت ہی دیا جا رہا تھا۔ چنانچہ سپریم کورٹ کے فل کورٹ بنچ نے اس لیے منسوخ نہیں کیا تھا کہ ادارے کی نجکاری کرنا غلط تھی بلکہ اس لیے کہ نجکاری کے طریقہ کار میں گھپلے تھے۔ نجکاری کے عمل میں حکومت کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ یہ کام حکومت کے لیے بڑی آزمائش کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ کام ایسی شخصیات کے ذریعے انجام دیا جانا چاہیے جو اعلیٰ درجہ کی پیشہ وارانہ مہارت رکھتے ہوں۔ فروخت کے طریق کار کا ایک ایک مرحلہ واضح اور شفاف ہونا چاہیے۔

خدارا! وہ کمپنیاں جو نفع بخش ہیں اور جن کی ترقی کے روشن امکانات موجود ہیں، ان کی فروخت میں جلد بازی نہیں کی جانی چاہیے اور مناسب وقت کا انتظار کیا جانا چاہیے۔

اداروں کی نجکاری میں سابقہ غلطیاں نہ دہرائی جائیں

اداروں کی نجکاری میں ایسی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا جائے جو تاریخ کے سیاہ باب میں اضافے کا ذریعہ ہو، مثلاً:

مختلف ادوار میں قومی اداروں کی نجکاری کی جاتی رہی ہے، مثلاً: ① جنرل ضیاء الحق نے آغا خان فاؤنڈیشن کو کراچی میں اربوں روپے کی مالیت کی زمین کوڑیوں کے مول دے دی، جہاں اب آغا خان ہسپتال اور میڈیکل یونیورسٹی قائم ہیں۔ ② جنرل پرویز مشرف کے دور میں حبیب بینک بھی آغا خان کو فروخت کیا گیا۔ بینک جتنے معاوضے میں فروخت کیا گیا اس سے زیادہ تو اس کے ہیڈ آفس کراچی میں 24 منزلہ حبیب بینک پلازہ کی قیمت تھی۔ باقی اثاثے علیحدہ تھے۔ ③ پی ٹی سی ایل کی فروخت کے سلسلے میں جو رقم پاکستان کو ادا کی جانی تھی، اس کا بڑا حصہ آج تک ادا نہیں کیا گیا۔ ④ یو بی ایل فروخت کیا گیا، اس کے اثاثے اس رقم سے زیادہ تھے، جن کے عوض اسے فروخت کیا گیا۔ ⑤ کراچی میں ''کے ای ایس سی'' فروخت کی گئی، نتیجہ ہمارے سامنے ہے، ہم نے کیا حاصل کیا اور کیا کھویا؟ ⑥ حیدرآباد کی زیل پاک سیمنٹ فیکٹری اور روہڑی سیمنٹ فروخت کی گئی تھی، اس سے زیادہ مالیت کا سامان اور تیار سیمنٹ فیکٹری میں موجود تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک وطن اور پوری ملت کے حال پر رحم فرمائے، آمین۔

وما توفیقی إلا باللّٰہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب.

❁❁❁❁



آپ کے تأثرات

ایڈیٹر

محترم جناب چیف ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا رسالہ حدیث کی روشنی خوب خوب پھیلا رہا ہے۔ مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب! آپ کی تحریر پڑھتے پڑھتے دل میں اتر جاتی ہے اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ اللہ آپ کو اور آپ کے رسالہ ضیائے حدیث کو حاسدوں کے حسد اور شیطانوں کی شیطانیوں سے بچائے۔ آمین!

اور آپ کو اور آپ کے دارالسلام کے جملہ احباب کو دنیا کے فتنوں سے بچائے اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین

عرفان سعید، فاضل جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ مرید کے

بسراء، ڈاکخانہ چونڈہ، پسرور (سیالکوٹ)

****

جناب ایڈیٹر صاحب! ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔ ماشاء اللہ! پچھلے چھ ماہ سے مجھے رسالہ بلاتعطل مل رہا ہے۔ بہت ہی معلوماتی ہے اور ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ میں Fsc کا طالب علم ہوں، میری پڑھائی ویسے ہی بڑی مشکل ہے لیکن پھر بھی وقت نکال کر یہ رسالہ ضرور پڑھتا ہوں۔ اور میرے بھائی، بہن وغیرہ بھی بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ تھوڑے دن پہلے میرا ایک تقریری مقابلہ تھا تو میں نے آدھی سے زیادہ تقریر ضیائے حدیث سے یاد کی تھی۔

اللہ تعالیٰ خصوصاً بالخصوص عبدالمالک مجاہد صاحب اور آپ کی حفاظت فرمائے اور اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

والسلام

حافظ محسن علی

گلی نمبر 16، مکان نمبر 14، ملتانی احاطہ، فیض باغ لاہور

****

جناب ایڈیٹر صاحب! ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا شمارہ جنوری، فروری 2014ء نظر سے گزرا تو بہت پسند آیا۔ ضیائے حدیث موجودہ دور کی تمام مطالعاتی ضروریات کو بہ احسن پورا کرتا ہے اور اس میں دیگر موضوعات بھی معلوماتی اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ ضیائے حدیث شمارہ نمبر 2 فروری 2014ء میں ''ڈاکہ زنی کی وارداتیں اور اس کے متعلق شرعی راہ نمائیاں'' سے ہمیں بہت اچھا سبق ملتا ہے۔ اس میں ہمیں جرأت و بہادری پر ابھارا گیا ہے۔ واقعی ڈاکوؤں کے سامنے بے بسی کی تصویر بننے کی بجائے اگر ہم تھوڑی سی ہمت اور دانائی سے کام لیں تو ہم ڈاکوؤں کو بے بس کر کے خود کو اور دوسروں کو محفوظ کر سکتے ہیں۔

والسلام

شازیہ اصغر دختر محمد اصغر

بقاپور، ڈاکخانہ گہلن ہٹھاڑ تحصیل چونیاں ضلع قصور

****

جناب ایڈیٹر صاحب! ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماشاء اللہ! ''ماہنامہ ضیائے حدیث'' زبردست ماہنامہ ہے۔ اللہ آپ کو اور ضیائے حدیث کے تمام لکھاریوں کو صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور جزائے خیر دے۔ (آمین)

جزاک اللہ خیراً

پروین اختر ملک (بھکر)

****

پاک عرب مضبوط تعلقات مستحکم عالم اسلام کی بنیاد



وفاقی وزیر مذہبی امور محترم سردار محمد یوسف سے انٹرویو

محمد ارسلان حجازی

ضیائے حدیث محترم! مسلم لیگ کی حکومت کو قائم ہوئے ایک سال ہونے والا ہے۔ یہ فرمائیں کہ ملک اور قوم کے حوالے سے آپ کی حکومت کی ترجیحات کیا ہیں؟

سردار یوسف وزیراعظم نواز شریف نے جب وزارتِ عظمیٰ کے عہدے کا حلف اٹھایا تو اس وقت انھوں نے قومی اسمبلی میں پہلی تقریر کے دوران اپنی حکومت کی ترجیحات کا اعلان کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے ملک کے استحکام، قوم کی فلاح و ترقی اور امن و امان کی بحالی کے لیے کام کرنا ہے۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارا ملک کئی سالوں سے بہت سے مسائل کا شکار ہے جن میں سرفہرست لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح ہماری معیشت زبوں حالی کا شکار ہے۔ جب امن و امان کی صورت حال بہتر ہوگی اور معیشت مضبوط ہوگی تو ملک ترقی کرے گا اور عوام خوشحال ہوں گے۔ اسی طرح وزیراعظم نے اپنی پہلی تقریر میں دہشت گردی و لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ اور دیگر ممالک کے ساتھ ایڈ کی بجائے ٹریڈ کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھا۔ ٹریڈ اور معیشت کو فروغ دینے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انرجی کرائسس ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ وزیراعظم نے اپنی پہلی تقریر میں جن ترجیحات کا اعلان کیا تھا سب کے حل کے لیے کام شروع ہے۔ بجلی بحران کے حل کے لیے نیلم پراجیکٹ پر اگرچہ پہلے سے کام شروع ہے تاہم وزیراعظم نے اس پراجیکٹ کو جلد از جلد مکمل کرنے کی ہدایت جاری کی ہے۔ پچھلے دنوں وزیراعظم نے سندھ میں تھرکول پراجیکٹ کا سنگ بنیاد رکھا ہے۔ اسی طرح صوبوں میں بھی بجلی کی پیداوار کے منصوبوں پر کام شروع ہے۔ تجارتی روابط کو بہتر بنانے کے لیے وزیراعظم چین اور ترکی کے دورے کر چکے ہیں۔ سب سے پہلے چین کا دورہ کیا اور وہاں انھوں نے تقریباً 14 معاہدوں پر دستخط کیے۔ جس میں اکنامک کوریڈور کی منظوری بھی شامل ہے، یعنی کاشغر سے لے کر گوادر تک شاہراہ کی تعمیر۔ اس شاہراہ کی تعمیر سے معیشت میں بہت بڑا انقلاب اور تبدیلی آئے گی اور چاروں صوبے اس سے مستفید ہوں گے۔ لوگوں کو روزگار ملے گا، آمدورفت میں آسانی ہوگی۔ دورہ ترکی میں بھی وزیراعظم نے تجارت کی بات کی۔ اس دورے سے دونوں ملکوں کے درمیان اعتماد اور تعلقات کی فضا پہلے سے بہتر ہوئی ہے۔ پاک سعودی تعلقات گزشتہ دو ادوارِ حکومت سے سرد مہری کا شکار تھے اب ان تعلقات میں گرم جوشی پیدا ہو چکی ہے۔ پچھلے دنوں سعودی وزیر خارجہ



پاکستان کے دورے پر آئے تو انھوں نے عملی طور پر پاکستان کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور کہا کہ سعودی عرب زراعت سمیت ہر شعبے میں پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہتا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ پچھلے ادوار میں دنیا بھر میں پاکستان کا اعتماد مجروح ہوگیا تھا۔ نواز شریف کے دور میں وہ اعتماد دوبارہ بحال ہوا ہے۔ پہلی حالت یہ تھی کہ دنیا پاکستان پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہ تھی، یہاں تک کہ پاکستان کے قریبی دوست بھی شاکی اور بے اعتمادی کا شکار تھے۔ میاں نواز شریف کے اقتدار میں آنے اور ان کی بہترین و مثبت پالیسیوں کی وجہ سے اعتماد کی فضا دوبارہ لوٹ آئی ہے۔

ضیائے حدیث آپ کا کیا خیال ہے کہ بیرونی ممالک کا اعتماد میاں نواز شریف پر ہے؟

سردار یوسف جی ہاں! میں سمجھتا ہوں یہ اعتماد میاں نواز شریف کی ذات، شخصیت اور ان کی پالیسیوں پر ہے۔ آپ دیکھیں کہ جب کویت عراق جنگ شروع ہوئی تو اس وقت میاں صاحب نے بڑی جرأت سے اس جنگ کو رکوانے کے لیے ایک مدبر اور قائد کا کردار ادا کیا تھا۔ جس سے خلیجی ممالک کے بہت سے حکمرانوں میں میاں صاحب کی عزت اور احترام میں اضافہ ہوا، پھر یہ کہ میاں صاحب کے دور میں ہی پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے۔ ان دھماکوں سے قبل انھوں نے پاکستان کے تمام دوست ممالک کو اعتماد میں لیا۔ سب دوست ممالک کی طرف سے بہت مثبت و تعمیری ردعمل سامنے آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اعتماد پاکستان کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ دوست ممالک نے جہاں پاکستان پر اعتماد کیا وہاں یہ میاں نواز شریف کی ذات پر بھی اعتماد تھا، اس لیے کہ قائد کا اپنا ایک کریکٹر اور ویژن ہوتا ہے۔ اس اعتماد کا نتیجہ ہے کہ اب دوست ممالک یہاں انویسٹمنٹ کرنے، انڈسٹری لگانے، پاکستان کے ساتھ بڑے پیمانے پر تجارتی معاملات، تعلقات اور روابط قائم کرنے پر تیار ہیں۔

دوست ممالک کے ساتھ روابط بحال کرنا اور پاکستان کا وقار و اعتماد قائم کرنا یہ پہلا مرحلہ تھا، اگلا مرحلہ جو اس سے بھی اہم ترین ہے، وہ ہے پاکستان میں امن و امان قائم کرنا اور حالات کو سازگار بنانا تاکہ وہ دوست ممالک جو یہاں انویسٹمنٹ کرنے پر آمادہ ہیں ان کو تحفظ مل سکے۔ امن و امان بحال کرنے کے لیے ہماری حکومت شروع دن سے کوششیں کر رہی ہے۔ اب تو باقاعدہ مذاکرات شروع ہو چکے ہیں۔ ہماری حکومت کی سنجیدگی کا اندازہ تشکیل کردہ مذاکراتی ٹیم سے لگایا جاسکتا ہے۔ حکومتی ٹیم میں شامل سب افراد ہی سنجیدہ اور درد دل رکھنے والے ہیں جو پاکستان کے تمام مکاتب فکر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ حکومتی ٹیم، امن بحال کرنے کے سلسلے کی کڑی ہے اور مقصد یہ ہے کہ امن ہر صورت قائم کیا جائے۔

ضیائے حدیث آپ نے میاں نواز شریف کے دورہ چین اور ترکی کی بات کی ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ پاکستان میں ایک عرصہ تک یہ روایت رہی ہے کہ ہر نیا وزیراعظم اپنا پہلا آفیشل دورہ سعودی عرب کا کیا کرتا تھا۔ میاں نواز شریف نے چین اور ترکی کے دورے تو کر لیے لیکن سعودی عرب ابھی تک وہ صرف عمرہ کرنے کے لیے گئے ہیں؟

سردار یوسف دیکھیں بات یہ ہے کہ میاں صاحب وہ خوش قسمت انسان ہیں جو تقریباً 9، 10 سال شاہی مہمان بن کر سعودی عرب رہے ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جو دنیا میں مقدس ترین مقامات ہیں ان کی زیارتوں، وہاں نمازوں کی ادائیگی اور حج و عمرہ سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ ان مقدس مقامات سے ہو کر جب وہ پاکستان آئے تو ان کو حکومت ملی۔ میاں صاحب کے پہلے دونوں ادوار میں بھی پاک سعودی تعلقات مثالی تھے۔ اب ان تعلقات میں مزید بہتری آئی اور گرم جوشی پیدا ہوئی ہے۔ اس گرم جوشی کے کئی واقعات کا میں عینی شاہد ہوں۔ مسلم لیگ کی حکومت بننے کے بعد جب میں پہلی دفعہ وزیر مذہبی امور کی حیثیت سے سعودی عرب گیا تو وہاں گورنر مدینہ فیصل بن سلیمان بن عبدالعزیز سے میری ملاقات ہوئی تو وہ بار بار پاکستان کا ذکر خیر کرتے رہے اور آخر میں کہنے لگے: ''میاں صاحب کو میری طرف سے سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ میں سعودی عرب میں گورنر مدینہ ہی نہیں بلکہ پاکستان کا سفیر بھی ہوں۔ مجھے پاکستان اتنا ہی محبوب ہے جتنا سعودی عرب۔



اور میں پاکستان کے لیے اسی طرح دعا گو رہتا ہوں جس طرح سعودی عرب کے لیے دعا کرتا ہوں۔'' بات یہ ہے کہ پاک سعودی تعلقات ہمیشہ ہی سے اچھے رہے ہیں لیکن میاں نواز شریف اور ان کی حکومت کے ساتھ تو ان کے بہت ہی گہرے اور دوستانہ مراسم ہیں۔

ضیائے حدیث آپ نے کچھ دیر پہلے پاکستان میں امن و امان کے قیام کی بات کی ہے۔ یہ فرمائیں کہ حالیہ امن کوششوں کے بارے میں کس حد تک بہتری کی امید کی جاسکتی ہے؟

سردار یوسف ہماری حکومت خلوص دل سے ان کوششوں کو کامیاب دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ حکومت کی طرف سے امن کوششوں کی کامیابی کا اندازہ حکومتی ٹیم کے افراد سے لگایا جاسکتا ہے۔ میاں نواز شریف ان مذاکرات کی خود سرپرستی کررہے ہیں۔ حکومتی کمیٹی براہِ راست وزیراعظم کے ساتھ رابطے میں ہے۔ ان کے ساتھ وزیرداخلہ چوہدری نثار علی خان بھی کوآرڈینیٹ کررہے ہیں۔ سب کوششیں نیک نیتی سے ہورہی ہیں، اس لیے مجھے امید ہے کہ یہ ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوں گی۔

ضیائے حدیث دینی حلقوں میں آپ کا بہت احترام ہے۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کے ساتھ آپ کے بہت اچھے اور ذاتی تعلقات ہیں۔ آپ کے پاس وزارت بھی مذہبی امور کی ہے۔ حکومت اور طالبان مذاکرات میں علماء بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اس تناظر میں مذاکرات کو کامیاب کرنے کے لیے علماء نے یا آپ نے علماء کے ساتھ رابطہ کیا ہے؟

سردار یوسف میں چاہتا ہوں اور میری دعا بھی ہے کہ اللہ کرے مذاکرات کامیاب ہوں۔ یہ لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ اور وزارت داخلہ کا معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں چوہدری نثار علی خان کے ساتھ ہم رابطے میں ہیں ان سے بات ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح علماء کے ساتھ بھی ہمارا رابطہ ہے۔ آپ کی یہ بات واقعی درست ہے کہ مذاکرات کو کامیاب کرنے اور امن و امان کی صورت حال کو بہتر بنانے میں علماء اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ وفاقی وزارت مذہبی امور کی طرف سے ملک کے بڑے شہروں میں اتحاد بین المسلمین کی کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ کانفرنسیں بھی امن و امان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے ہورہی ہیں۔ ہم ہر جگہ علماء سے کہتے ہیں کہ وہ امن بحال کرنے اور ملک کو بچانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ مجھے امید ہے کہ ان کوششوں کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

ضیائے حدیث آپ کا محکمہ عازمین حج کی بہتری کے لیے کیا کررہا ہے؟

سردار یوسف 2013ء میں جب ہماری حکومت بنی تو اس کے بعد جو پہلا حج آیا اس حج کی پالیسیاں سابقہ حکومت کی تیار کردہ تھیں، البتہ انتظامات ہم نے کیے۔ یہ حج ہمارے لیے چیلنج تھا۔ پاکستان سے عازمین حج کی روانگی سے لے کر واپسی تک ہم نے حجاج کو بہتر سے بہتر سہولتیں بہم پہنچانے کی حتی الوسع کوشش کی۔ وزیراعظم نواز شریف حج انتظامات کو بہتر بنانے میں ذاتی دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ عازمین حج کو زیادہ سے زیادہ سہولیات دی جائیں۔ ٹریننگ کے جامع اور معقول پروگرام ہوں، حجاج کرام میں اس بات کا شعور ہو کہ وہ عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ سعودی حکومت کے قوانین کی پابندی و پاسداری کریں اور آسانی سے حج کرسکیں۔ حجاج کرام اور معتمرین اللہ کے مہمان ہیں۔ وزیر مذہبی امور ہونے کی حیثیت سے حجاج کرام کی خدمت کرنا خدمت بھی ہے، عبادت بھی ہے اور ہمارا فرض بھی۔

ضیائے حدیث حج انتظامات کے سلسلے میں آپ سعودی عرب کے دورے کرتے رہتے ہیں اور وہاں سعودی حکام سے آپ کی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہ فرمائیں کہ سعودی حکام کے پاکستان کے متعلق کیا جذبات اور احساسات ہیں؟

سردار یوسف ان کے پاکستان کے متعلق بہت ہی اچھے جذبات ہیں۔ الحمدللہ میں پہلے بھی حج و عمرے کے لیے سعودی عرب جاتا رہتا ہوں۔ امسال بھی رمضان المبارک میں حج انتظامات دیکھنے کے لیے سعودی عرب گیا تو وہاں بہت سے سعودی حکام سے میری ملاقاتیں ہوئیں جن میں وزیر حج بندر بن محمد امجاج، امام کعبہ ڈاکٹر الشیخ عبدالرحمٰن السدیس، رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری، مدینہ کے گورنر اور جنوبی ایشیا کی مؤسسہ کے چیئرمین سرفہرست ہیں۔ اس کے بعد جب میں حج کے لیے گیا تو شیڈول کے مطابق حج کے تین دن بعد وزیر حج



سے میری ملاقات تھی لیکن کسی ہنگامی صورت حال کی وجہ سے مجھے ایک دن پہلے آنا پڑا، چنانچہ میں نے شیڈول سے ہٹ کر ان کو ملاقات کا پیغام بھجوایا تو انھوں نے بخوشی ملاقات کے لیے وقت دیا۔ میں نے دورانِ ملاقات ان کو مشورہ دیا کہ حج انتظامات کی آئندہ میٹنگ جنوری میں بلائی جائے، چنانچہ وزیرموصوف نے شیڈول سے ہٹ کر محض میری پروپوزل پر جنوری میں میٹنگ طلب کی، جو گزشتہ ماہ 19 جنوری کو ہوئی ہے، اس ملاقات میں سعودی وزارت حج کے ساتھ حج ایگریمنٹ ہوا۔

اسی دوران میں نے گورنر مکہ شاہ عبداللہ سے ملاقات کرنا تھی، ان سے رابطہ کیا تو انھوں نے اپنی تمام مصروفیات کو ترک کرکے دوسرے دن ہی ملاقات کے لیے بلالیا۔ گورنر مکہ سے بہت خوشگوار ماحول میں ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پاکستان کے لیے بہت نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''ہم پاکستان کو اپنا دوسرا گھر سمجھتے ہیں، ہمارے لیے پاکستان بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا سعودی عرب۔'' سعودی عرب میں جتنے بھی حکام سے ملاقاتیں ہوئی ہیں سب ہی اس قسم کے احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ انھیں پاکستان کے حالات پر تشویش ہے۔ وہ پاکستان کے متعلق بہت فکرمند اور دعاگو رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان مضبوط ہو، اس کی معیشت مستحکم ہو، چونکہ پاکستان اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت ہے، اس لیے بھی ان کی بہت سی امیدیں پاکستان سے وابستہ ہیں۔ پچھلے دنوں میں عمرہ کے لیے گیا تو وہاں میری ملاقات امام مسجد نبوی سے ہوئی۔ وہ دیر تک مجھ سے پاکستان کے حال احوال پوچھتے رہے۔ انھوں نے خصوصی طور پر پاکستان کے لیے دعا بھی کی اور رخصت کے وقت کہنے لگے: ''میری طرف سے پاکستانی عوام اور تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کے قائدین کو پیغام دے دینا کہ وہ سب میاں نوازشریف کا ساتھ دیں۔ جب پاکستانی اور سیاسی و مذہبی جماعتوں کے قائدین میاں نوازشریف کا ساتھ دیں گے تو پاکستان مضبوط ہوگا۔ پاکستان مضبوط ہوگا تو عالم اسلام مضبوط ہوگا۔ جب عالم اسلام مضبوط ہوگا تو پوری دنیا میں امن ہوگا۔'' یہ مسجد نبوی کے امام کا پیغام ہے پاکستان کی مذہبی و سیاسی جماعتوں کے قائدین اور عوام الناس کے نام۔ امام مسجد نبوی کے اس پیغام سے واضح ہوتا ہے کہ سعودی شیوخ، علماء اور سعودی حکام پاکستان کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ ہمارے لیے سعادت کی بات ہوگی کہ اگر ہم اس پیغام کو سمجھ لیں اور اس پر عمل کریں۔

ضیائے حدیث سعودی حکومت کے حج انتظامات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سردار یوسف بہت اچھے اور اعلیٰ انتظامات ہوتے ہیں۔ سعودی حکومت بہت خرچہ کرتی ہے۔ انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے وہ تمام وسائل و ذرائع استعمال اور خرچ کرتے ہیں اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ شاہی خاندان کے افراد بھی حجاج کی خدمت میں مصروف جاں رہتے ہیں۔ اسی طرح سعودی شیوخ اور شہری بھی حجاج کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ حرمین شریفین کی توسیع ہی بہت حیرت انگیز کارنامہ ہے جو کہ تاریخ انسانی میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ سعودی حکومت کا پروگرام ہے کہ حرمین شریفین میں اتنی توسیع کردی جائے کہ ایک کروڑ افراد باآسانی حج کرسکیں۔ اسی طرح منیٰ، مزدلفہ، عرفات کو ملانے کے لیے ٹرین، جمرات کے انتظامات، پانی کی سہولتیں، یہ سب قابل قدر اور لائق تحسین اقدامات ہیں۔ خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ اور ان کے ولی عہد خود ان تمام انتظامات کی نگرانی کرتے ہیں۔ حجاج کرام کی خدمت درحقیقت پوری دنیا کے مسلمانوں کی خدمت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے سعودی شاہی خاندان کی قسمت میں لکھ دی ہے۔

ضیائے حدیث ہم یورپ میں دیکھتے ہیں کہ جب کرسمس کا موقع آتا ہے تو اشیائے خورونوش سستی ہوجاتی ہیں اور جہازوں کے کرائے کم ہوجاتے ہیں مگر پاکستان میں اس کے بالکل الٹ ہے۔ یہاں حج کے ایام میں، رمضان المبارک کے مہینے میں جب کثرت سے لوگ عمرہ کے لیے جاتے ہیں اس وقت جہازوں کے کرائے بڑھ جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ پاکستانی حجاج اور معتمرین جب یہاں سے روانہ ہوتے ہیں تو اس وقت بھی سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جب وہاں سے واپس آتے ہیں تو اس وقت بھی یہی صورت



حال ہوتی ہے۔ اول تو جہازوں کے ٹکٹ نہیں ملتے، اگر ٹکٹ مل جائیں تو جہازوں کی آمدورفت میں تاخیر ہوتی ہے۔ کیا ان سب معاملات کا تعلق آپ کی وزارت سے ہے؟ اگر ہے تو انھیں حل کیوں نہیں کیا جاتا؟

سردار یوسف ان معاملات کا تعلق ہماری وزارت سے ہے اور ہم نے یہ سب مسائل اٹھائے ہیں اور تمام متعلقہ حکام کی توجہ ان کی طرف مبذول کروائی ہے۔ ان معاملات کو حل کرنے کے لیے پی آئی اے کے ذمہ داران سے ہماری بات چیت ہورہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ سالوں کی نسبت اس دفعہ کم از کم پی آئی اے کی پروازوں کا شیڈول بہتر رہا ہے۔ شاہین ایئرلائنز کی کچھ پروازیں تاخیر کا شکار ہوئی تھیں جس وجہ سے ہم نے ان پر جرمانہ بھی کیا، اس لیے کہ شاہین ایئرلائنز معاہدے کی پاسداری نہ کرسکی تھی۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ 2013ء کے حج کے لیے پروازوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اسلام آباد سے پہلی پرواز کو خود میں نے رخصت کیا۔ اسی طرح جب سعودیہ سے پروازوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت بھی میں وہاں موجود تھا۔ آخری پرواز کو میں نے ادھر سے خود رخصت کیا۔ اس طرح اس دفعہ پی آئی اے کی پروازوں کی آمدورفت کا نظام کافی بہتر رہا ہے۔ اس دفعہ ہم نے حجاج کے ساتھ رابطے کے لیے الیکٹرانک مانیٹرنگ سسٹم شروع کیا۔ ہر حاجی کو رابطے کے لیے ٹال فری نمبر دیا گیا تھا۔ کسی بھی حاجی کو دوران سفر یا دوران حج کوئی مشکل پیش آتی تو وہ ٹال فری نمبر کے ذریعے ہمارے محکمے کے ساتھ ہر وقت رابطہ کرسکتا تھا۔ میں خود بھی حج کے موقع پر سعودی عرب میں تھا۔ میں عام حاجیوں کے ساتھ خیموں اور ٹینٹوں میں رہا۔ مقصد یہ تھا کہ حج انتظامات کی نگرانی ہو۔ مختصر یہ ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے حجاج کرام کو بہتر سے بہتر سہولتیں دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ تاہم بتقاضۂ بشریت ان میں کمی کا امکان ہوسکتا ہے جنھیں ہم آئندہ سالوں میں مزید بہتر کریں گے۔ ان شاء اللہ

ضیائے حدیث فرقہ واریت ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ اس کے خاتمے کے لیے آپ کی وزارت کیا کررہی ہے؟

سردار یوسف یہ بات درست ہے کہ اس وقت فرقہ واریت کی وجہ سے پوری امت مسلمہ زبوں حالی کا شکار ہے۔ بادیٔ النظر میں دیکھا جائے تو یہ امت خود اس کی ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اس کی سادہ لوحی، فرقہ واریت پر مبنی سوچ، فکر واجتہاد کا فقدان، باہمی عدم اعتماد اور نفاق ونفرت کے سیلاب نے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری وزارت نے پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں اتحاد بین المسلمین کانفرنسوں کا انعقاد شروع کیا ہے۔ ایک ضابطہ اخلاق ترتیب دیا گیا ہے جس میں دوسروں کے مسالک اور اکابر کا احترام، علماء، خطبا اور مصنفین کی تحریروں اور تقریروں میں توازن واعتدال پیدا کرنے کی کوشش، ایسے بیانات سے اجتناب جن سے دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہو، مساجد و مدارس کا احترام، اقلیتی فرقوں اور ان کے مقدس مقامات کا تحفظ، ایسی مساعی جمیلہ کو عمل میں لانا جس سے عوام میں علماء و مشائخ کا اعتماد بحال، مسلکی تنازعات کو باہم مشوروں اور افہام وتفہیم کی روشنی میں طے کرنا، عوامی اجتماعات کے پلیٹ فارم سے مخالفین کے خلاف طعن وتشنیع سے مکمل اجتناب، ایسی آڈیو، ویڈیو اور تحریری مواد کی تلفی جس سے دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہو اور آئندہ کے لیے ایسی چیزوں سے مکمل اجتناب کی تلقین، امہات المومنین، صحابہ کرام، اہل بیت، اولیائے امت، تابعین، تبع تابعین اور تمام مسلمانوں کا احترام، دوسروں کے حقوق کی پاسداری اور اپنے فرائض کی بجاآوری، قومی و ملکی معاملات وحالات میں تمام مکاتب فکر کے علماء کا اتحاد، پاکستان کی سالمیت وتحفظ، اس کی تعمیر وترقی کے لیے کوششیں کرنا، ملک کو دہشت گردوں سے نجات دلانا، اس نوعیت کے تمام مسائل و معاملات کے حل کے لیے وفاقی اور صوبائی سطح پر علماء کونسلز کا قیام جیسے اہم اقدامات شامل ہیں۔ الحمدللہ ان تمام مقاصد کے حصول کے لیے تمام مکاتب فکر کے جید علماء کے ساتھ رابطے میں ہوں۔ ان سے ملاقاتیں کررہا ہوں۔ اپنی گزارشات ان کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ان سے راہ نمائی لیتا ہوں اور ان سے اس بات کی درخواست بھی کرتا ہوں کہ وہ پاکستان کے استحکام اور مسائل کے حل کے لیے دعا کریں۔



ولیمہ
مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے

حافظ صلاح الدین یوسف
مدیر شعبۂ تحقیق دارالسلام، لاہور

شادی کی تقریبات میں ولیمہ ایک ایسا عمل ہے جو مسنون ہے، یعنی نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود بھی اپنی شادیوں کا ولیمہ کیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد اللہ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اللہ نے زندگی کے ایک نہایت اہم اور نئے موڑ پر مدد فرمائی اور اسے ایک ایسا رفیق حیات اور رفیق سفر عطا فرمادیا ہے جو اس کے لیے تفریحِ طبع اور تسکین خاطر کا باعث بھی ہوگا اور زندگی کے نشیب و فراز میں اس کا ہمدم، ہمدرد اور مددگار بھی۔

اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ اسلام میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اِطعامِ طعام (کھلانے پلانے) کا اہتمام کیا جائے۔ اولاد اللہ کی نعمت ہے، اس کے ملنے پر حکم ہے کہ جانور قربان کرو، خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اولاد میں لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لیے اس کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم ہے، یعنی بقدرِ مسرت اطعامِ طعام، لڑکی بھی اللہ کی نعمت ہے، اس کی ولادت پر زمانۂ جاہلیت کی طرح غم و اندوہ کا اظہار نہیں کرنا بلکہ اظہارِ مسرت ہی کرنا ہے گو لڑکے کے مقابلے میں کم ہی سہی، اس لیے ایک جانور قربان کردو۔

نکاح بھی نوجوان جوڑے کے لیے بلکہ دونوں خاندانوں کے لیے بھی خوشی کا ایک موقع ہے، اللہ نے دونوں خاندانوں کو ایک نہایت اہم فریضے کی ادائیگی سے نواز دیا اور نوجوان جوڑے کے لیے بھی خوشی کا موقع ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا جیون ساتھی میسر آ گیا ہے جو ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوگا اور شاہراہِ زندگی میں ایک دوسرے کا ہم سفر بھی۔

لیکن اسلام زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کا قائل ہے اور حد سے تجاوز کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے اس کے نزدیک اظہارِ مسرت میں بھی اعتداء (حد سے تجاوز) اور اسراف (فضول خرچی) ناپسندیدہ ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ ''فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔'' (بنی اسرآءیل 27:17) علاوہ ازیں تفاخر اور شان و شوکت کا بے جا اظہار بھی اسلام کی نظر میں مذموم ہے۔ اس اعتبار سے ولیمہ جب سنت ہے، دنیاوی رسم نہیں تو اسے کرنا بھی اسی طرح چاہیے جس میں اسلامی ہدایات سے انحراف نہ ہو جبکہ ہمارے ہاں اس کے برعکس ولیمہ بھی اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ بھی شادی بیاہ کی دیگر رسموں کی طرح بہت سی خرابیوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ مثلاً:

① ولیمے میں بارات سے بھی زیادہ ہجوم اکٹھا کرلیا جاتا ہے۔

② حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ انواع و اقسام کے کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

③ اپنی امارت اور شان و شوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

④ غرباء کی شرکت کو ناپسندیدہ اور اپنے مقام و مرتبہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

⑤ جس کے پاس وسائل نہ ہوں یا بہت کم ہوں، وہ بھی قرض لے کر اپنی استطاعت سے بڑھ کر ولیمہ کرتا ہے۔



❻ ولیمے میں بھی بے پردگی کا طوفان آیا ہوتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ مووی فلم کے ذریعے سے مردوں کے علاوہ تمام خواتین کی حرکات کو بھی محفوظ کیا جاتا اور دونوں خاندانوں میں اس کو ذوق وشوق سے دیکھا جاتا ہے۔

ولیمے کے بارے میں اسلامی ہدایات

حالانکہ اسلامی ہدایات کی رو سے مذکورہ سب باتیں غلط ہیں، اس لیے دعوتِ ولیمہ میں بھی اصلاح کی اور اپنے رویوں میں تبدیلی کی شدید ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہمیں اس کی بابت جو ہدایات ملتی ہیں، ان سے حسب ذیل چیزوں کا اثبات ہوتا ہے۔

❶ اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے، سادہ اور مختصر ولیمہ ہو، سارے خاندان اور دوست احباب کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں ہے۔ عہدِ نبوی میں صحابۂ کرام اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادیاں کرتے تھے لیکن دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں کسی بڑے اجتماع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حتی کہ صحابہ، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قربت کا تعلق رکھتے تھے، خود اپنی شادی میں رسول اللہ ﷺ تک کو مدعو نہیں کرتے تھے۔ جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لباس پر زردی دیکھی تو ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے کھجور کی ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر ایک خاتون سے شادی کرلی ہے۔ آپ نے فرمایا: «اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» ''ولیمہ کرو (اگر زیادہ استطاعت نہ ہو تو) ایک بکری ہی کا کردو۔'' (صحیح البخاري: 5155,5153)

خیبر سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرکے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا تو راستے ہی میں مدینہ پہنچنے سے قبل ہی آپ نے سیدہ صفیہ سے خلوت فرمائی اور صبح کو آپ نے ولیمہ کیا جس میں کھجور، پنیر اور گھی کا ملیدہ بنا کر صحابہ کی تواضع کی گئی، نہ گوشت تھا اور نہ روٹی، یہ چونکہ سفر کا واقعہ ہے، مجاہد صحابہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی جو خیبر میں آباد یہودیوں سے جہاد کرنے کے لیے آپ کے ساتھ گئی تھی تو آپ نے اس میں ان سب کو شریک فرمایا۔ (صحیح البخاري: 5159) یہ ولیمہ بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے تعاون سے کیا تھا، چونکہ آپ سمیت سب سفر میں تھے، آپ خیبر فتح کرکے مدینہ واپس آرہے تھے، راستے میں آپ نے یہ نکاح فرمایا تھا اور شب باشی کے بعد آپ نے صبح صحابہ سے فرمایا: «مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ» ''جس کے پاس جو چیز بھی ہے، وہ لے آئے۔'' آپ نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا، کوئی کھجور لے آیا، کوئی گھی (اور کوئی پنیر) لے آیا اور بعض ستو۔ ان سب کو ملا کر ملیدہ بنا لیا گیا، یہی رسول اللہ ﷺ کے ولیمے کا کھانا تھا۔ (صحیح البخاري:371)

رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ گراں ولیمہ وہ تھا جو آپ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد کیا تھا، اس میں آپ نے گوشت روٹی کا اہتمام فرمایا تھا۔ (صحیح مسلم: 1428) ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ولیمے میں زیادہ ہجوم جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نہ پرتکلف انواع واقسام کے کھانوں اور ڈشوں کی۔ تھوڑے سے افراد کو بلایا جائے اور گھر ہی میں ان کی خاطر تواضع کردی جائے۔ شادی ہال وغیرہ بک کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اپنی امارت اور شان وشوکت کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے دنیاوی وسائل سے نوازا ہے تو انھیں ان ضرورتوں پر خرچ کیا جائے جن کی معاشرے میں ضرورت ہے، اللہ کے دین کی نشر واشاعت اور اللہ کے دین کے داعیوں اور محافظوں پر خرچ کیے جائیں، جہاد اور مجاہدین پر خرچ کیے جائیں، وعلیٰ ھذا القیاس۔ ولیمے وغیرہ کی دعوتوں میں اسراف و تبذیر کا مظاہرہ کرکے کم وسائل والے افراد کے اندر احساسِ محرومی پیدا نہ کیا جائے۔

❷ رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی پر راستے میں جو ولیمہ کیا تھا، وہ مسلمانوں کے باہمی تعاون سے ہوا تھا، جیسا کہ اس کی تفصیل گزری، اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں اصحابِ ثروت لوگوں کو بے وسیلہ لوگوں کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر تعاون کرنا چاہیے۔ ان کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا عنداللہ ناپسندیدہ روش ہے۔

❸ ولیمہ گوشت کے بغیر دوسری چیزوں سے بھی کیا جاسکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ ولیمے میں ہوا۔

❹ ولیمے میں محض رشتے داریوں اور دوستانہ تعلقات کی بنیاد ہی پر نہ بلایا جائے بلکہ نیک



لوگوں کو بھی شریک کیا جائے۔ اسی طرح غرباء و مساکین کو بھی نظرانداز نہ کیا جائے۔ جس ولیمے میں محض اغنیاء ہی شریک ہوں، اسے نبی ﷺ نے «شَرُّ الطَّعَامِ» (بدترین کھانا) قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں موقوفاً سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہا کرتے تھے: «شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ، يُدْعٰى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ، وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ» ''بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔'' (صحيح البخاري: 5177)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ قول مرفوع کے حکم میں ہے (فتح الباری) اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: «شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيْهَا وَيُدْعٰى اِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلَهُ» ''بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں ان (غرباء) کو تو روک دیا جائے جو اس میں آتے ہیں اور ان کو بلایا جاتا ہے جو اس میں آنے سے انکار کرتے ہیں اور جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' (صحيح مسلم: 1432)

ایک اور حدیث ہے جس میں نیکوں ہی کو کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ فرمایا: «لَاتُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ» ''دوست اور ساتھی مومن ہی کو بناؤ اور تمھارا کھانا بھی سوائے مُتقی کے اور کوئی شخص نہ کھائے۔'' (سنن أبي داود: 4832)

❺ اوپر حدیث گزری ہے کہ جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنا، چاہے وہ ولیمے کی ہو یا عام دعوت، ضروری ہے۔ حتی کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے تو اس کو بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ روزہ توڑ لے اور دعوت میں شریک ہوجائے، بالخصوص جب دعوت کرنے والا اصرار کرے۔ اگر اصرار نہ کرے تو روزے دار کی مرضی ہے کہ روزہ توڑے یا نہ توڑے۔ روزہ نہ توڑے تو دعوت کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کردے۔ (صحيح مسلم: 1431)

❻ اگر نفلی روزہ توڑ کر دعوت کھائی جائے، تو اس نفلی روزے کی قضا ضروری نہیں۔ نبی ﷺ ایک دعوت میں تشریف فرما تھے، صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، جب کھانا شروع ہوا تو ایک شخص الگ ہوکر ایک طرف بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ روزے سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «صُمْ يوماً مكانَهُ إِنْ شِئْتَ» ''تم دعوت کھالو، اگر چاہو تو بعد میں اس کی جگہ روزہ رکھ لینا۔'' حافظ ابن حجر اور شیخ البانی رحمہما اللہ نے اس کو ''حسن'' کہا ہے۔ (ارواء الغليل: 1952)

معصیت والی دعوت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں

❼ دعوت قبول کرنے کی اتنی تاکید کے باوجود شرعی دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس دعوت میں یا دعوت والے گھر میں اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہو یا وہاں معصیت والی چیز ہو تو اس دعوت میں اس شخص کا شریک ہونا تو جائز ہے جو اصحابِ دعوت کے ہاں اتنے اثر رسوخ کا حامل ہو کہ وہ معصیت کاری رکوا سکتا ہو، تو اس کو شریک ہوکر اس کو رکوانے کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ اور جو شخص ایسی پوزیشن کا حامل نہ ہو، اگر اس کے علم میں پہلے سے یہ بات ہو کہ وہاں فلاں فلاں معصیت کا ارتکاب ضرور ہوگا جیسے آج کل میوزک، ویڈیو، بے پردگی جیسی معصیتیں عام ہوگئی ہیں۔ تو اس کا اس دعوت میں جانے کے بجائے اس کا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر پہلے اس کے علم میں نہیں تھا، وہاں جاکر دیکھا کہ وہاں ان شیطانی کاموں کا اہتمام ہے تو اس میں شرکت نہ کرے اور واپس آجائے۔ اگر ان معصیت کاریوں کے باوجود وہ شریک ہوگا تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ بالخصوص اصحاب علم وفضل کی اس قسم کے اجتماعات میں خاموشی کے ساتھ شرکت بہت بڑا جرم ہے، ان کی شرکت ان معصیت کاریوں کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو تصویر والا پردہ دیکھ کر بھی دعوت کھائے بغیر واپس آجاتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے ایک روز کھانا تیار کیا اور رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی، آپ تشریف لائے تو گھر میں تصاویر دیکھ کر واپس چلے گئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں



باپ آپ پر قربان، آپ کو کس چیز نے واپس ہونے پر مجبور کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''گھر میں ایک تصویروں والا پردہ ہے اور جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''(سنن ابن ماجه و مسند ابويعلى، بحواله ''آداب الزفاف'' للألباني، ص: 77)

رسول اللہ ﷺ نے تو ایک مرتبہ خود اپنے گھر، یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دروازے پر ایک تصویر والا پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو آپ نے اندر داخل ہونا پسند نہیں فرمایا، جس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی۔ (یہ واقعہ پہلے بھی بیان ہوا ہے) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی یہی تھا۔(صحيح البخاري: 5961)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جب شام تشریف لے گئے تو شام کے ایک نہایت معزز عیسائی نے آپ کی اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے، ان کی دعوت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ اَجْلِ الصُّوَرِ الَّتِي فِيْهَا» ''تمھارے گرجوں میں تصویریں ہوتی ہیں اس لیے ہم وہاں نہیں آسکتے۔''(سنن بيهقي: 268/7)

سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کی ایک شخص نے دعوت کی، انھوں نے اس سے پوچھا: گھر میں کوئی تصویر ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے تصویر کے توڑنے تک گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا، جب تصویر کو توڑ دیا گیا تو آپ پھر داخل ہوئے۔(سنن بيهقي: 81)

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «لَاتَدْخُلُ وَلِيْمَةً فِيْهَا طَبْلٌ وَلَا مِعْزَافٌ» ''ہم اس ولیمے میں شریک نہیں ہوتے جس میں ڈھول تماشے یا گانے بجانے کے کوئی آلات ہوں۔''

(آداب الزفاف للالباني، ص: 81)

❽ دعوت کھلانے والے کے لیے دعا کی جائے

نبی ﷺ نے متعدد موقعوں پر صحابہ کے ہاں کچھ کھایا پیا تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ سے تین دعائیں منقول ہیں جو آپ نے مختلف اوقات میں صاحب خانہ کے لیے فرمائیں۔

1: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ» ''اے اللہ! ان کو تونے جو کچھ دیا ہے، اس میں برکت عطا فرما، ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔''(صحيح مسلم: 2042، وسنن أبي داود: 3729)

2: «اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِيْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِيْ» ''اے اللہ! جنھوں نے مجھے کھلایا، تو انھیں کھلا اور جس نے مجھے پلایا ہے، تو اسے پلا۔''(صحيح مسلم: 2055)

3: «اَفْطَرَعِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ» ''روزے دار تمھارے پاس روزے کھولتے رہیں، نیک لوگ تمھارا کھانا کھاتے رہیں اور فرشتے تمھارے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔'' (سنن أبي داود: 3854)

❾ دولھا کے لیے خصوصی دعا

دولھا کو خاص طور پر ان الفاظ میں دعا دی جائے: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ» ''اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے اور تم پر اپنی برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ اکٹھا رکھے۔''(سنن أبي داود: 2130)

❿ ولیمہ کب کیا جائے؟

سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہما، دونوں کے ساتھ نکاح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے خلوت فرمائی، تو احادیث میں صراحت ہے کہ اس کے بعد دوسرے دن آپ نے ولیمہ کی دعوت کی۔ اس سے اسی بات کا اثبات ہوتا ہے کہ ولیمہ نکاح سے پہلے نہیں، بلکہ نکاح کے بعد ہی ہونا چاہیے۔ البتہ شب باشی کے بعد دوسرے روز ہی ضروری نہیں بلکہ دو تین دن کے وقفے کے بعد بھی جائز ہے۔

علاوہ ازیں ولیمے سے قبل خلوت صحیحہ بھی ضروری ہے یا نہیں یا اس کے بغیر بھی ولیمہ جائز ہے؟ بعض لوگ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم بستری سے پہلے ولیمہ جائز نہیں ہے لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں، کیونکہ بعض دفعہ پہلی رات کو جب خلوت میں میاں بیوی کی ملاقات ہوتی ہے تو عورت کے حیض کے ایام ہوتے ہیں، اس لیے ایسی حالت میں بوس و کنار سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا نیز کسی اور وجہ سے بھی بعض دفعہ ہم بستری نہیں ہو پاتی، اس لیے ولیمے کی صحت کے لیے ہم بستری کو لازم خیال کرنا صحیح نہیں ہے، مخصوص قسم کے حالات میں اس کے بغیر بھی ولیمہ صحیح ہوگا۔ واللہ اعلم۔

❁❁❁❁

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق

مشکل ترین حالات میں بھی سنت نہ چھوٹی!!

خطبہ مسنونہ: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ (النسآء 4:66-68) وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ﴾ (الأعراف 7:170) وقال رسول اللّٰہ ﷺ: «إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ» (صحيح مسلم:145)

یہاں اس وقت ایک اختلاف سامنے آرہا ہے کہ یہ درس یا یہ متواضع کلمہ عربی میں ہو یا اردو میں ہو، کچھ یاروں کا قانون ہے کہ «إِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا» ہمارے پاس ایک سندھی زبان بھی ہے وہ بھی چلا سکتے ہیں لیکن شیخ عائش صاحب حفظہ اللہ کا حکم ہے کہ اردو میں بات ہو۔ اور میں ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ جو نصوص آپ کے سامنے پڑھوں، وہ عربی میں پڑھوں تاکہ ہمارے عرب ساتھی وہ سنیں۔ اور اس طالب علم کی معروضات سے اللہ رب العزت مجھے اور ان سب کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

گفتگو کا موضوع آپ نے سنا کہ مشکل حالات میں سنت رسول ﷺ کا اتباع۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کی پیروی یہ قیامت تک کے لیے ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں: «بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ» (مسند أحمد: 2/50) جو قیامت سے قبل بھیجے گئے اور جن کی نبوت کا سورج تا قیامِ قیامت طلوع رہے گا اور قائم رہے گا۔ رسول اکرم ﷺ کی اتباع فرض ہے اور نافرمانی ناجائز ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔'' (محمد 47:33) جس کا واضح معنیٰ یہی ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے اور تمھارا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے دائرے میں ہوگا تو وہ اللہ کے ہاں قابل قبول ہوگا اور اگر تمھارا عمل، تمھارا قول، تمھارا عقیدہ یا منہج اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے سے خارج ہوگا تو وہ مردود ہوگا۔ «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» ''ہمارے اس دین میں آنے والی ہر نئی چیز مردود



ہے۔'' (صحیح مسلم: 1718) «لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ أَحْدَثَ فِي الْإِسْلَامِ حَدَثًا» جس شخص نے اسلام میں کسی ایک بدعت کو جاری کردیا اس پر دن رات اللہ کی لعنتیں برستی ہیں۔ (مسند الربیع بن حبیب: 1/ 36، حدیث: 42) تو رسول اکرم ﷺ کی اتباع ہر حال میں فرض ہے۔ اس کا اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ «بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ» ''ہم نے رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کررکھی تھی سمع واطاعت کی۔'' آپ کی بات سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے۔ کن حالات میں؟ ہر حال میں۔ «فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ» آسانی ہو یا تنگی ہو۔ خوشی ہو یا غمی ہو۔ کوئی بھی موقع ہو۔ راحت ہو یا تعجب ہو۔ ہرحال میں رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرتے رہنے پر ہم نے اللہ کے پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے۔ (صحیح البخاري: 7199) اس حدیث کا مفہوم اور وسیع ہوسکتا ہے۔ علماء جانتے ہیں۔ اس وقت چونکہ مقتدا، امت کے قائد محمد رسول اللہ ﷺ تھے، اس لیے میں نے یہ محدود ترجمہ کیا کہ سمع و اطاعت پر صحابہ کرام نے اللہ کے پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی۔ ہرعسر ویسر میں، ہر تنگی اور آسانی میں، ہرخوشی اور غمی میں اللہ کے پیغمبر کی اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔ اور یہ اطاعت جس شخص کو یا جس خاندان کو یا جس قبیلے اور قوم کو حاصل ہو جائے وہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ اگر یہ لوگ صرف وہ کام کریں جن کاموں کی انھیں اللہ کے پیغمبر نصیحت کرتے ہیں تو ان کے لیے خیر ہے۔ ہرقسم کی خیر ہے۔ خیر مطلق ہے۔ اللہ فرمارہا ہے کہ ہرقسم کی خیر ہے۔ کوئی شر نہیں ہوگا۔ ان کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی۔ ہماری نصرت، ہماری تائید، دشمنوں پر غلبہ ان کو عطا فرمائیں گے۔ ﴿وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجرعظیم عطا فرمادیں گے جو ان کی اخروی سعادت کی ضمانت ہوگا۔ اللہ رب العزت نے اس اجر کو عظیم کے ساتھ موقوف فرمایا۔ وہ چھوٹا اجر نہیں ہوگا، اجرعظیم ہوگا۔ وہ اللہ کے پیغمبر کی اطاعت کا ثمرہ ہے۔ اور ساتھ ساتھ ﴿وَلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ صراط مستقیم کی ہدایت پر قائم رکھیں گے۔ ایک ضمانت، یہ ایک عظیم بشارت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے: «إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ» ''تم بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان دلوں کو جس طرف چاہے اور جب چاہے پھیردے۔ (الأربعين النووية: 1/ 22) لیکن یہاں ضمانتیں دیں۔ اگر تم میرے پیغمبر کی اطاعت کرتے رہو گے، میرے پیغمبر کی پیروی کرتے رہوگے تو صراط مستقیم پر قائم رہو گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوا اَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ» تمھارے بیچ جو کچھ میں چھوڑے جارہا ہوں اسے اگر تم تھامے رہو گے دنیا کی کوئی طاقت، دنیا کی کوئی تحریک، کوئی لالچ، کوئی دولت، کوئی مال تمھیں اللہ کے دین سے برگشتہ نہیں کرسکتا۔ بس شرط یہ ہے کہ جو چیز میں چھوڑ کے جارہا ہوں اسے تھام لو۔ اور وہ دو چیزیں ہیں: «كتاب اللّٰه» ایک اللہ کی کتاب «وسنتي» اور دوسری میری سنت۔ (مستدرك حاكم: 1/37) ہدایت کی اور ہدایت پر استقامت کی ضمانت۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ رب العزت کی دو انگلیوں میں تمام بندوں کے دل رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دلوں کو جب چاہے، جس طرف چاہے پھیردے۔ تو کوئی بھی حالت ہو، کوئی بھی کیفیت ہو اللہ کے پیغمبر ﷺ کی اتباع ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔ اور ہمارا حاصل حیات ہونا چاہیے۔ جیسی بھی گھڑی ہو، تنگی ہو، ترشی ہو، خوشی ہو، غمی ہو، مشکل ہو، آسانی ہو حتی کہ اگر سر پر تلوار لٹک رہی ہو، جان کو خطرہ ہو، مال کو خطرہ ہو لیکن کلمہ حق، سنت کی اتباع سے کوئی ابیٰ، کوئی انکار نہ ہو۔ ایسے لوگ موجود رہیں گے جو اللہ کے پیغمبر کی سنت کو تھامیں گے اور سنت کا اتباع کریں گے۔ اور وہ لوگ عظیم ہوں گے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ» (سنن أبي داود: 4341) تمھارے پیچھے

کچھ ایام صبر ہیں۔ کچھ تکلیفوں کے دور ہیں۔ جن میں میری امت پر تکلیفیں ٹوٹ پڑیں گی۔ آزمائشیں۔ اور یہ آزمائشیں اور یہ تکلیفیں یہ اللہ کے مقرب بندوں کا حصہ ہیں۔ «أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ» (صحيح البخاري: 5648) فرمایا کہ ایسے مشکل دن ہوں گے، ایسے مشکل حالات ہوں گے «اَلْعَامِلُ فِيهِنَّ كَالْقَابِضِ» ان مشکل دنوں میں، ان مشکل حالت میں میری سنت کے ساتھ اعتصام کرنے والا، میری سنت کو تھامنے والا ایسا ہوگا جیسے اپنی مٹھی میں آگ کا جلتا ہوا انگارا دبا کر بیٹھا ہو۔ یہ بیٹھنا آسان کام تو نہیں ہے۔ آگ کے انگارے کو مٹھی میں لے کر بیٹھنا آسانی کا کام نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ ایسے لوگ ہوں گے۔ سنت پر عمل کرنا اور دین پر چلنا یقیناً اس قدر مشکل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اَلْمُتَمَسِّكُ فِيهِنَّ يَومَئِذٍ.....لَهُ كَأَجْرِ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ» (المعجم الكبير للطبراني: 44/12) اس دور میں، ان مشکل حالات میں، ان مشکل گھڑیوں میں جو شخص اس چیز کو تھام لے جس پہ آج تم ہو۔ تم کون؟ صحابہ کرام۔ جس کو تم نے تھاما، جس کو تم نے سینے سے لگایا۔ اور وہ کیا تھا؟ کتاب وسنت۔ صحابہ کے دور میں اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کوئی شخصیت نہیں تھی جس کی وہ پیروی کریں۔ قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی دستاویز اور کوئی کتاب نہیں تھی جس کو وہ پڑھیں۔ کچھ تورات کے ورق ایک دفعہ ہاتھ آگئے تو اللہ کے پیغمبر نے کیا ردعمل ظاہر کیا؟ کس طرح آپ کا چہرہ انار کے دانے کی طرح سرخ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: «أَمُتَهَوِّكُونَ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى» (شرح السنة: 270/1، حديث: 126) تم کیا پڑھ رہے ہو؟ کیا تم یہود ونصاری کی طرح بربادی مول لینا چاہتے ہو؟ ان کی طرح تباہ ہونا چاہتے ہو؟ صحابہ کا منہج تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس چیز کو آج تم نے تھاما ہے وہ قرآن وحدیث کے علاوہ کچھ نہیں۔ قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور کی پیروی کا کوئی تصور نہیں۔ شیخین: ابوبکر وعمر اس امت کے افضل ترین انسان تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: «كُنَّا نَقُوْلُ وَالنَّبِيُّ حَيٌّ أَفْضَلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ» (المعجم الكبير للطبراني: 427/10) افضل ترین انسان۔ کچھ لوگوں نے ایک دفعہ حج تمتع کی مشروعیت سے انکار کیا ان کا حوالہ دے کر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول: قال رسول اللّٰه وتقولون: قال أبوبكر و عمر» مجھے ڈر ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر نہ برسیں۔ میں اللہ کے پیغمبر کا فرمان پیش کررہا ہوں اور تم اس کے مقابلے میں ابوبکر وعمر کی بات کررہے ہو۔ (موسوعة الرد على الصوفية: 31/25) حالانکہ اس امت کے افضل ترین انسان ہیں۔ میں کہتا ہوں: ابن عباس رضی اللہ عنہما اگر آج زندہ ہوتے اور آج لوگوں کا حال دیکھتے کہ یہ کس کس کے پیروکار بن چکے ہیں۔ وہاں تو شیخین کی بات اور ان کا ردعمل یہ تھا کہ آسمان سے پتھر برسیں گے جو تمھیں برباد کردیں گے اگر وہ آج کا طرز عمل دیکھتے، لوگوں کی راہیں دیکھتے کہ انھوں نے کس طرح اس دین کو شطرنج کا کھیل بنارکھا ہے، ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ کیا ردعمل ہوتا؟ یہ صحابہ کا منہج تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ ایام صبر، وہ مشکل دن، وہ فتنوں کا دور، فسادات کا دور، اس دور میں جس شخص نے اس چیز کو تھام لیا پورے صبر کے ساتھ، ثبات کے ساتھ، استقامت کے ساتھ جس پر آج تم ہو، اس ایک شخص کو پچاس افراد کے برابر ثواب ملے گا۔ صحابہ نے یہاں ایک بات معلوم کی کہ وہ پچاس افراد کون ہوں گے؟ «منا أو منهم؟» وہ پچاس افراد ہم میں سے ہوں گے یا اس دور کے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «بل منكم» وہ تم میں سے ہوں گے۔ (المعجم الكبير للطبراني: 44/12) ایام صبر میں، مشکل حالات میں محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تھامنے والا وہ كالقابض الجمر ہے۔ ایک شخص کا اجر اللہ رب العزت پچاس صحابہ کے برابر بڑھادے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حدیثیں اس موضوع کا اصل ہیں۔ اور شروع میں جو حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی۔ صحیح بخاری ومسلم میں بہت سے صحابہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا» ''اسلام کا آغاز غربت سے ہوا، اجنبیت سے ہوا'' «وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ» ''اور جہاں سے اسلام شروع ہوا وہاں لوٹ کر رہے گا'' (صحيح مسلم، حديث:

146) جس غربت سے شروع ہوا، جس اجنبیت سے چلا اس اجنبیت پر لوٹ کر رہے گا۔ اب دیکھیے محمد رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ دین پیش کی۔ خود آپ کی برادری نے انکار کردیا۔ آپ کی قوم نے نہیں مانا۔ بلکہ اس دعوت کے راستے میں کانٹے بچھائے، رکاوٹیں کھڑی کیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ جن کو وہ صادق و امین کہتے کہتے تھکتے نہیں تھے انھیں تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کرکے رکھ دیا۔ کیسی اجنبیت؟ رسول اللہ ﷺ کا ایک صحابی آپ سے پوچھتا ہے: «مَنْ مَاتَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ يَارَسُوْلَ اللّٰه» ''یارسول اللہ! اب تک کتنے لوگ آپ کے ساتھ بنے اور جڑے؟ کتنے لوگوں نے آپ کی اطاعت کی؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «عبد و حر» ایک آزاد اور ایک غلام نے۔ (مسند أحمد: 112/4) آزاد ابوبکر اور غلام بلال رضی اللہ عنہما۔ ایسی اجنبیت۔ فرمایا کہ اس اجنبیت پر اسلام لوٹے گا۔ لوگوں نے ان کی حیات کو تنگ کیا، سوشل بائیکاٹ کیا، پتھر مارے، طرح طرح کے القاب رکھے، گالیاں دیں لیکن دین کو نہیں چھوڑا۔ اللہ کے پیغمبر کی غلامی کا راستہ نہیں چھوڑا۔ یہ وصف ہے غرباء کا۔ فرمایا کہ «فطوبٰى للغرباء» بشارتیں ہیں غرباء کے لیے۔ وہ اس دین کو، کتاب وسنت کو اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں۔ زمانے کی مخالفت، حکومتوں کے مظالم، کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔ کسی مخالفت کی پروا نہیں کرتے۔ کوئی فتنہ انھیں حق سے دور نہیں کرتا۔ اللہ کے پیغمبر کی سنت کا اتباع ان کا نصب العین ہے۔ یہ حقیقت میں اہل الحدیث کی شان ہے۔

یونس بن عبید ایک بڑے محدث گزرے ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے: «لَيْسَ شَيْءٌ اَغْرَبَ مِنْ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ» اس کائنات میں اللہ کے پیغمبر کی سنت سے بڑھ کر کوئی چیز اجنبی نہیں ہے۔ سب سے زیادہ اجنبی اور غربت کا شکار میرے پیغمبر کی سنت ہے۔ (مفتاح الجنة للسيوطي: 64/1) کوئی اٹھتا ہے اس کا انکار کردیتا ہے، کوئی اٹھتا ہے سنت کو رد کرنے کے لیے مختلف قاعدے ایجاد کرتا ہے۔ کلمہ گو مسلمان، سنت کو رد کرنے کے لیے قاعدے بناتا ہے۔ کتابوں میں باقاعدہ لکھ کے جاتا ہے کہ «لَوْ عَمِلْنَا بِكُلِّ حَدِيْثٍ لَسُدَّ بَابُ الرَّأْيِ» ''اگر ہم نے ہر حدیث پر عمل کرنا شروع کردیا تو رائے کا دروازہ بند ہوجائے گا اور ہم تو اہل الرائے ہیں۔ یہ سنت کی اجنبیت اور غربت ہے۔ قاعدے بناتے ہیں کہ دلیل اول کتاب اللہ ہے اور دلیل ثانی سنت رسول اللہ ہے۔ یہ تقسیم کہاں سے آگئی؟ یہ قاعدہ بدعت ہے۔ کتاب وسنت ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ کہاں سے آپ نے پڑھ لیا کہ کوئی مسئلہ دیکھنا ہو تو پہلے قرآن میں تلاش کرو، پھر حدیث میں دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَنْ يَّفْتَرِقَا» یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے۔ «حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوضَ» ''حتی کہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ اکٹھی مجھ پر حوض کوثر پر پیش کرے گا۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3788) یعنی تا قیام قیامت یہ کتاب و سنت ساتھ ساتھ رہیں گے۔ میں سمجھتا ہوں معنوی طور پر، ضمنی طور پر اللہ کے پیغمبر کا یہ فرمان بہت بڑا تزکیہ ہے جماعت اہلحدیث کے لیے۔ کیونکہ یہ وہ جماعت ہے جس نے دونوں چیزوں کو ساتھ ساتھ رکھا ہوا ہے۔ ایک ہاتھ میں کتاب اللہ، ایک ہاتھ میں سنت رسول۔ تو یونس بن عبید کا قول: «لَيْسَ شَيْءٌ اَغْرَبَ مِنَ السُّنَّةِ» سنت سے بڑھ کر اجنبی چیز اور کوئی نہیں۔ (مفتاح الجنة للسيوطي: 64/1) لیکن اس سے زیادہ اگر کوئی اجنبی ہے تو پھر وہ لوگ ہیں جو سنت والے ہیں، جو حدیث والے ہیں، جو حدیثیں پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں، عمل کرتے ہیں اور حدیثوں کے ساتھ قائم ہیں، محکم ہیں۔ دعوتاً نشرًا وبلاغاً، عملًا واعمالًا، قراء تاً وسماعاً ہر لحاظ سے اس حدیث کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ اجنبی کوئی چیز ہے تو وہ اہل الحدیث ہیں جن کی لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ جن کے ساتھ لوگ بیٹھتے نہیں ہیں۔ جن پر طرح طرح کی طعن وتشنیع ہوتی ہے۔ لیکن یہ لوگ کسی مخالفت کی پروا نہیں کرتے بلکہ ان کا شغل اہتمام بالسنہ جاری اور قائم ہے۔ حدیثوں کو پڑھنا، پڑھانا، اس کے لیے قربانیاں دینا انفس نفائس کی، یہ جاری اور قیامت تک قائم رہے گا۔ تو میں یہ عرض کررہا ہوں کہ سنت رسول کا اتباع مشکل سے مشکل گھڑی میں اسے اپنا نصب العین بنالیں۔ اس کا اجروثواب آپ

نے سن لیا۔ «فطوبٰی للغرباء» اور ایک متمسك بالسنة، اس کے لیے پچاس صحابہ کے برابر اجر ہے، کب؟ فتنوں اور فسادوں کے مشاغل میں۔ تنگی اور ترشی میں۔ اگر سنت کو تھامے بیٹھا ہے اس کی کیفیت اس شخص کی سی ہے جو آگ کا انگارا مٹھی میں لیے بیٹھا ہے۔ لیکن ثواب پچاس صحابہ جتنا۔ تو سنت کا اتباع ہر حال میں اپنے پیش نظر رکھیے۔ سنت کو پیش کیجیے۔ سنت کو پیش کرنے کا اہتمام کیجیے۔ یہ مختلف فرقے، مختلف لوگ جو سنت کی اس عظیم الشان راہ پر مختلف وار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا طریق سنت کو پیش کرنا ہو اور سنت کے ذریعے سمجھانا ہو۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: «أَهْلُ الرَّأْيِ هُم أَعْدَاءُ السُّنَنِ» (الفقيه والمتفقه للخطيب: 104/2) یہ اہل الرائے، یہ رائے والے سنت کے دشمن ہیں۔ «يَأْتُونَكُمْ وَيُجَادِلُونَكُمْ بِالْقُرْآنِ»(تاريخ بغداد: 286/14، رقم:7581) تمھارے پاس آئیں گے، تم سے جھگڑیں گے قرآن پاک پڑھ پڑھ کے۔ تم کیا کرو؟ «فَجَادِلُوْهُمْ بِالسُّنَنِ» تم ان کو پکڑو اللہ کے پیغمبر کی سنت سے «فان السنة آية» یہ لوگ درحقیقت سنت کے پیٹے ہوئے ہیں۔ سنت کو یاد کرنا، حدیثوں کو پڑھنا، حدیثوں کو پڑھانا، حدیثوں پر عمل کرنا اس سے عاجز آچکے ہیں، تھک چکے ہیں۔ یہ ان کا ردعمل ہے۔ تو جیسے بھی حالات ہوں اللہ کے پیغمبر کی سنت کے ساتھ تمسک یہ ہمارا نصب العین ہونا چاہیے جیسا کہ محدثین کرام۔ انھوں نے کس طرح سنت کا اہتمام کیا اور اپنی عمریں کھپا دیں اس راہ میں۔ اس کی خاطر سفر کیے، طویل وعریض سفر کیے۔ کئی کئی مہینوں کے سفر۔ جابر بن عبداللہ کا سفر مصر کا، خالد بن مخلد کے پاس صرف ایک حدیث سننے گئے کہ اللہ کے پیغمبر نے ایک حدیث سنائی تھی، میں سمجھتا ہوں کہ جس جس نے سنی تھی وہ سب فوت ہو چکے، صرف تم زندہ ہو۔ تم سے سننے کے لیے مدینے سے آرہا ہوں، حالانکہ متن اس کا یاد ہے لیکن جس شخصیت نے اللہ کے پیغمبر سے سنی تھی اس سے سننا چاہتے ہیں تاکہ سند عالی مل جائے۔ سند عالی، اس کے لیے اس کا ذوق اور شوق، جستجو، یہ محدثین کی سیرتوں کا خلاصہ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے اللہ کے پیغمبر سے سنا تھا: «مَنْ سَتَرَ عَلٰى أَخِيْهِ عَوْرَةً فَكَأَنَّمَا اَحْيَا مَوْؤدَةً» ''کہ جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کردی، اس کے عیب کو چھپالیا تو اللہ اس کو اتنا اجر دے گا کہ جیسے اس نے کسی جاہلیت کے دور کی زندہ درگور بچی کو قبر سے اٹھا کر زندہ کردیا ہو'' (معجم الأوسط: 175/5، حديث: 4992) حدیثوں کی خاطر سفر، سند عالی کی جستجو، یحییٰ بن معین موت کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ کسی نے پوچھا: «مَاتَشْتَهِيْ؟»''کیا چاہتے ہو؟'' کہا کہ «بيت خال وسند عال» دو چیزیں چاہتا ہوں: خالی گھر مل جائے اور اللہ کے پیغمبر تک سند عالی مل جائے۔ خالی گھر کیوں؟ تاکہ مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے اور میں خالی گھر میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام کی حدیثیں پڑھوں، یاد کروں، ان کو حفظ کروں، یہ نور اپنے سینے میں پہنچاؤں اور کوئی مخل نہ ہو۔ اور سند عالی اگر آج بھی مجھے کوئی بتائے تو، اگرچہ میں ضعیف ہو چکا ہوں، چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں، پھر بھی اس سند عالی کو حاصل کرنے کے لیے چل پڑوں گا۔ «أَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمْ أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ يَصْحَبُوا» ''اہل الحدیث ہی درحقیقت اہل النبی ہیں۔ حدیث والے ہی درحقیقت نبی والے ہیں کہ ان کو اگرچہ نبی کی ذات کی صحبت کا شرف میسر نہیں ہوا لیکن پیغمبر علیہ السلام کی مبارک سانسوں کے دن رات کے ساتھی بنے۔ صبح و شام قال رسول اللّٰه، قال رسول اللّٰه۔ ایسے لوگوں کے انجام، ایسے لوگوں کا سفر، ایسے لوگوں کی زندگی بڑی مبارک ہوتی ہے۔ وہ تاحیات اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور سعادت میں رہتے ہیں۔ دیکھیں امام احمد بن حنبل، ان کا بیٹا بیان کرتا ہے کہ سکرات الموت میں، چونکہ وضو کی ایک فضیلت ہے۔ ہم نے سوچا کہ اپنے باپ کو اس وقت باوضو کردیں۔ وضو کرا رہے تھے۔ ہاتھ دھوئے، کلی کرائی، چہرہ دھویا، بازو دھوئے، پاؤں دھونے لگے۔ امام احمد کچھ اپنی زبان سے بولے۔ ہم نے اپنے کان قریب کیے تو فرمارہے تھے: «خَلِّلُوا بَيْنَ الْأَصَابِعِ» میری انگلیوں کا خلال تم بھول گئے ہو۔ (حلية الأولياء لأبي نعيم: 183/9) عمل بالسنہ کی سکرات الموت میں اللہ توفیق دے رہا ہے۔

غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

ابوانس



① تین خوبیاں

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ صَدْرُ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَمُنَاصَحَةُ أُولِي الْأَمْرِ، وَلُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ» ''تین خوبیاں ایسی ہیں کہ مسلمان کا سینہ ان پر تنگ نہیں ہونا چاہیے: خالص اللہ کے لیے عمل کرنے میں، حکامِ بالا کو نصیحت کرنے میں اور مسلمانوں کی جماعت سے لازمی وابستگی میں۔'' (مسند أحمد: 225/3)

② مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْمُؤْمِنُونَ هَيِّنُونَ لَيِّنُونَ، مِثْلُ الْجَمَلِ الْأَلِفِ الَّذِي إِنْ قِيدَ انْقَادَ، وَإِنْ سِيقَ انْسَاقَ وَإِنْ أَنَخْتَهُ عَلَى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ» ''مومن بڑے روادار اور نرم خو ہوتے ہیں۔ ایسے اونٹ کی طرح جو بڑا مانوس ہوتا ہے۔ اسے جس طرف لے جایا جائے وہ چل پڑتا ہے، اسے ہانکا جائے تو وہ ہانکا جاتا ہے (اڑیل اور ضدی نہیں ہوتا) اگر آپ اسے کسی چٹان پر بھی بٹھادیں تو بیٹھ جاتا ہے (حالانکہ چٹان پر بیٹھنا اس کے لیے دشوار ہوتا ہے۔)(السلسلة الصحيحة، حديث: 936)

③ خوشبو کا تحفہ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب بھی خوشبو کا تحفہ پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اسے قبول کر لیتے۔ (مسند أحمد: 226/3)

④ اگر ایسا ہونا ہوتا تو ہو جاتا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ میں نے 10 سال پیغمبر ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ میں نے آپ کے کسی کام میں سستی کا مظاہرہ کیا یا سرے سے کر ہی نہ سکا تو آپ نے مجھے ملامت نہیں کی۔ یہاں تک حدیث تو عموماً سب لوگ جانتے ہیں لیکن یہاں مطلوب اگلا حصہ ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اہل خانہ میں سے کوئی مجھے ملامت بھی کرتا تو آپ ﷺ اس سے یہی فرماتے: «دَعُوهُ، فَلَوْ قُدِّرَ (أَوْ قَالَ: لَوْ قُضِيَ) أَنْ يَكُونَ كَانَ» ''اسے کچھ نہ کہو! اگر یہ کام مقدر میں ہوتا یا یہ فرماتے کہ پورا ہونا ہوتا، تو ہو جاتا۔'' (مسند أحمد: 231/3)

⑤ ہوس کے پجاری

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں بڑے گنہگاروں میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے کسی خاتون سے شادی کی اور اس سے ہوس پوری کر کے اسے طلاق دے دی اور اس کا حق مہر بھی لے گیا۔ ایک شخص وہ ہے جس نے کسی شخص سے کام لیا مگر اس کی مزدوری یا اجرت لے دوڑا۔ اور ایک وہ شخص جس نے کسی جانور کو بے مقصد ذبح یا شکار کیا۔'' (المستدرك للحاكم: 182/2، والسلسلة الصحيحة: 999)



دارُالسّلام ماہ رفتہ

ضیائے حدیث دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار ایک ذیلی ادارہ ہے۔ 36 لوئر مال روڈ، لاہور سے شائع ہونے والا یہ جریدہ الحمدللہ ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے گامزن ہے۔

دارالسلام کے وزیٹرز: ✵ دارالسلام انٹرنیشنل کے ہیڈآفس الریاض میں 5 فروری 2014ء کو عالم اسلام کی ممتاز شخصیت ڈاکٹر ذاکر نائیک تشریف لائے، دارالسلام کی طرف سے ان کے اعزاز میں ظہرانے کا اہتمام کیا گیا۔ کثیر تعداد میں ڈاکٹر صاحب کے مداحین نے شرکت کی، ڈاکٹر صاحب سے خوشگوار موڈ میں سوال و جواب کی نہایت علمی اور موثر نشست ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے دارالسلام کی قیادت کا شکریہ ادا کیا اور دارالسلام کی خدمات کو خوبصورت الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔

✵ سابق امیر جمعیت اہل حدیث ہند مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند مولانا محمد ارشد ندوی حفظہ اللہ دارالسلام الریاض تشریف لائے اور ذمہ داران و احباب دارالسلام سے باہمی امور پر تبادلہ خیال کیا۔ ✵ مصنف کتب کثیرہ محترم مولانا محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ دارالسلام انٹرنیشنل کے پاکستان میں، ہیڈآفس لوئر مال لاہور تشریف لائے۔

انٹرویو: ✵ دارالسلام کے چیف ایگزیکٹو، مینجنگ ڈائریکٹر عبدالمالک مجاہد کا خصوصی اور تفصیلی انٹرویو ماہنامہ قومی ڈائجسٹ کے فروری 2014ء کے شمارے میں 26 صفحات پر مشتمل شائع ہوا۔

منصوبہ جات: ✵ الحمدللہ دارالسلام قرآن کمپلیکس (متصل کوٹ عبدالمالک انٹرچینج لاہور، اسلام آباد موٹروے) تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ یہ ایک میگا پراجیکٹ ہے جس میں جدید ترین مشینری کے ذریعے قرآن مجید اور دینی کتب کی اشاعت عالمی معیار کے مطابق تیز تر اور جدید ترین ہوگی۔ پرنٹنگ پریس جدید اور بائیڈنگ سے متعلق 80 فیصد مشینری انسٹال ہوچکی ہے۔ اپریل 2014 میں اس کا شاندار افتتاح متوقع ہے۔ ان شاء اللہ!

✵ دارالسلام ریسرچ سنٹر واقع 36 لوئر مال کی 6 منزلہ پُرشکوہ عمارت زیرتعمیر ہے، بیسمنٹ کی دو منزلیں مکمل ہوچکی ہیں۔ لوئر گراؤنڈ کا لینٹر تکمیلی مراحل میں ہے۔

نئی کتب: ✵ سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر 7: شائقین سیرت کے لیے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ کے آئینہ دار ''سیرت انسائیکلوپیڈیا'' کی ساتویں جلد (4 کلرآرٹ پیپر) بیروت سے طبع ہوکر ہیڈآفس الریاض پہنچ گئی ہے۔

✵ شرح صحیح مسلم (5 جلدیں): سینئر ریسرچ سکالر پروفیسر محمد یحییٰ جلالپوری رحمہ اللہ کے خوبصورت اور شائستہ ترجمے اور مختصر فوائد سے مزین صحیح مسلم کی تین جلدیں بیروت سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر ہیڈآفس الریاض سعودی عرب میں دستیاب ہیں، آخری دو جلدیں زیرِ طبع ہیں۔

✵ رجال قرآن (7 حصے): قرآن مجید کے تفسیری نکات سے مزین ''رجال قرآن'' کے نام سے مسلم اور غیر مسلم افراد کا مفصل، منفرد اور دلچسپ تذکرہ۔ یہ کتاب حال ہی میں بیروت میں طباعت کے مراحل طے کرکے ہیڈآفس الریاض پہنچ چکی ہے۔

✵ جدید عربی سیکھیے: عرب ممالک میں مقیم حضرات وخواتین، زائرینِ حرمین، شائقین عربی زبان اور دینی مدارس کے طلبہ کے لیے خاص تحفہ۔

شام... خونِ آشام

عبدالمالک مجاہد

قسط: 1



وہ کون سی صبح ہوگی جب آنکھیں پرامن ”شام“ دیکھیں گی!!

الحمدللہ میں سنہری یادیں نامی کتاب مرتب کر چکا ہوں۔ اس کتاب میں اپنی زندگی کی حسین یادوں کا تذکرہ کیا ہے۔ میں نے اس میں اپنا بچپن، جوانی، سعودی عرب میں آمد، دارالسلام کی تاسیس اور اس کی ترقی کے مراحل کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ لکھنے اور اعتراف کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے فضل وکرم سے میری زندگی بڑی خوبصورت اور سنہری گزری ہے۔ اب تو بس یہ آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی عاقبت اچھی کردے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر ہو۔ جہاں تک زندگی کی حسرتوں اور تمناؤں کا تعلق ہے تو بحمداللہ سب کی سب پوری ہوچکی ہیں۔ میں گزشتہ چند ہفتوں سے سوچ رہا تھا کہ ملک شام کے حوالے سے اپنی یادیں، اپنے احساسات اور اپنے خیالات سپردِ قلم کردوں۔

قارئین کرام! میں 27 جنوری 2014ء کا اخبار اردو نیوز دیکھ رہا تھا کہ اس میں شام کی صورت حال کے تعلق سے چھٹے جنیوا کنونشن کے موقع پر شائع ہونے والے ایک کارٹون پر نگاہیں جم گئیں۔ ایک تصویر میں پہلے جنیوا کنونشن کے بورڈ کے نیچے ایک مردہ شخص کی کھوپڑی دکھائی گئی ہے۔ دوسرے کنونشن کے بورڈ کے نیچے دس کے قریب کھوپڑیاں، تیسرے کے نیچے کوئی سو سے اوپر کھوپڑیاں، چوتھے کے نیچے دس ہزار کے قریب اور پانچویں کے نیچے لاکھ کے قریب کھوپڑیاں دکھا کر چھٹے کنونشن کے بورڈ کے نیچے لکھا گیا ہے: ”معاف کیجیے گا! شام میں سارے لوگ ختم ہو گئے ہیں اب کسی جنیوا کنونشن کی ضرورت نہیں رہی۔“

اس کارٹون نے سرزمین شام کے حوالے سے میرے زخموں کو تازہ کردیا ہے۔ میں اس ملک شام کو یاد کرنے لگا جس سے میں شدید محبت کرتا ہوں۔ مقام شکر ہے کہ وزیراعظم میاں نواز شریف اور سعودی ولی عہد نے 17 فروری کو مشترکہ اعلامیہ میں بشارالاسد کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ امید ہے اس سے حالات میں خاصی بہتری آئے گی۔ میں سوچتا ہوں کہ ایسا وقت کب آئے گا جب میں ایک بار پھر پر امن دمشق میں جاؤں گا۔ مسجد اموی میں نماز ادا کروں گا۔ ”جبل قاسیون“ پر جاکر شاورما کھاؤں گا۔ آیئے میرے ساتھ، اس ملک کے حوالے سے کچھ سنہری یادیں تازہ کرتے ہیں۔

قارئین کرام! میں نے اپنی زندگی میں اس کرہ ارضی کے مختلف ممالک کے بے شمار سفر کیے ہیں۔ شام جسے سوریا بھی کہتے ہیں میرے لیے دوسرے گھر کی طرح رہا ہے۔ آج اس خوبصورت اور مبارک ملک میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہیں، خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ شہید ہوچکے ہیں۔ اس ملک کے ساتھ میری بہت ساری یادیں وابستہ ہیں۔ شام کے حوالے سے میں یہ عرض کردوں کہ یہ وہ علاقہ ہے جس کو قرآن مجید کی سورۃ ”الاسراء“ میں ارض مبارکہ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی تھی۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: «اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا» ”اے اللہ ہمارے لیے ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت پیدا فرما۔“

میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ مجھے بچپن ہی سے شام کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا مگر یہ ماننے اور لکھنے میں کوئی حرج بھی نہیں کہ مجھے تاریخ سے بے حد دلچسپی تھی۔ والد محترم محمد یونس کیلانی رحمہ اللہ نے میری تربیت میں بے حد دلچسپی لی، انھوں نے بہت محنت وکوشش کی۔ وہ مجھے بڑے مقام پر دیکھنا چاہتے تھے۔ کتابت کے دوران وہ مجھے



اپنے پاس بٹھا لیتے۔ مشاہیر اسلام کے واقعات سناتے۔ جنگوں اور غزوات کی باتیں بھی آتیں۔ جب بھی حافظ آباد یا اس کے گردونواح میں کوئی جلسہ یا تبلیغی پروگرام ہوتا تو بڑے شوق سے خود بھی اس میں شرکت کرتے، مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ ان جلسوں اور پروگراموں سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ چھوٹی ہی عمر میں بہت ساری باتیں دل ودماغ پر نقش ہوگئیں۔ اسی دور میں مجھے عرب ممالک کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس زمانے کے حالات میں کون سوچ سکتا تھا کہ میں ان عرب ممالک میں جاؤں گا اور متعدد بار جاؤں گا۔

شام میں تو مجھے اتنی بار جانے کا اتفاق ہوا کہ خود مجھے بھی صحیح گنتی یاد نہیں۔ جب میں پہلی مرتبہ دمشق سے حماہ، حلب گیا تو ان میدانوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا کہ یہ وہ یادگار مقامات ہیں جہاں سے اسلامی مجاہدین گزرے تھے اور انہوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔

آج سے دس سال پہلے جب دارالسلام کی ترقی عروج پر تھی، میں عموماً ریاض سے دمشق جاتا، پھر دمشق سے بذریعہ ٹیکسی بیروت جاتا۔ بیروت میں دو یا تین دن گزارتا۔ پھر واپسی کے لیے بیروت سے ریاض کے لیے ہوائی سفر ہوتا۔ یہ سفر میں نے اتنی بار کیے کہ شام اور لبنان کے سفارت خانوں کا عملہ میری شکل وصورت اور پاسپورٹ سے بڑی حد تک واقف ہو چکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ایک خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ میرا پاسپورٹ لیتے اور اس پر ملٹی پل ویزا لگا کر چند گھنٹوں میں یا زیادہ سے زیادہ اگلے دن واپس کر دیتے۔ اس زمانے میں میرے پاس عبدالقادر نامی ایک بنگالی کام کرتا تھا۔ یہ بینک میں بھی جاتا، ڈرائیونگ بھی کرتا اور عموماً میرے لیے ویزے بھی لگوالاتا۔ ویزے کی فیس بھی برائے نام ہی تھی۔ یعنی 50 ریال سے بھی کم تھی۔ میرا ٹریول ایجنٹ اشرف نامی شخص تھا۔ جب میں اسے کہہ دیتا کہ مجھے فلاں دن اور فلاں وقت جانا ہے تو وہ بلا تاخیر میرے لیے سیٹ کا بندوبست کر دیتا۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ مجاہد صاحب کو اس تاریخ پر جانا ہی جانا ہے۔ ائرپورٹ کے لوگ بھی مجھے پہچانتے تھے۔ عموماً میں کاؤنٹر سے فارغ ہونے والا آخری مسافر ہوتا۔ جس طرح مجھے سفر کے لیے سیٹ کی ضرورت ہوتی تھی اسی طرح ایرلائن والوں کو بھی پیسنجر کی ضرورت ہوتی تھی۔ میں نے ان کو بعض کتابیں بھی تحفہ میں دے رکھی تھیں۔ میں جاتا تو وہ مسکرا کر استقبال کرتے۔

مجھے پہلی مرتبہ 1986ء میں سوریا یعنی شام جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ چند دن میں دمشق میں رہا۔ بچپن سے جامعہ اموی کے بارے میں پڑھتا اور سنتا چلا آرہا تھا۔ اموی مسجد ایک زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ اس مسجد کو اموی مسجد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر 86 تا 96 ہجری میں بنایا گیا۔ یہ مسجد آج بھی نہایت خوبصورت اور بہت ہی بڑی ہے۔ اموی مسجد کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے 1200 سال پہلے رومانوی دور سے ایک مندر تھا، جہاں بتوں کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو یہ چرچ میں تبدیل ہوگیا۔ مسلمانوں نے دمشق کو سیدنا عمر فاروق کے دور خلافت میں فتح کیا۔ مسلمان فوج دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک کی قیادت سیدنا خالد بن ولید اور دوسرے حصے کی قیادت سیدنا ابوعبیدہ بن جراح کے ہاتھوں میں تھی۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح نے آدھا شہر صلح کے ذریعہ حاصل کیا۔ دشمن نے امان، اپنے مذہبی مقامات کا تحفظ، جان ومال کی پناہ مانگی جو عطا کر دی گئی۔ ان کے برعکس سیدنا خالد بن ولید نے دشمن سے مقابلہ کر کے آدھا شہر فتح کیا۔ اس طرح اس چرچ کا نصف حصہ مسجد بنا دیا گیا اور بقیہ نصف چرچ ہی رہا۔ اس مسجد کے بالکل متصل ''السوق الحمیدیہ'' ہے جو مشہور عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید کے نام پر ہے۔ یہ دمشق کا سب سے مشہور بازار ہے۔ یہ کیسا بازار ہے اگر آپ جاننا چاہتے ہیں تو لاہور کا کشمیری بازار دیکھ لیں۔ بازار کی چوڑائی کوئی بہت زیادہ تو نہیں، مگر الحمیدیہ ہر وقت گاہکوں سے بھرا رہتا ہے۔ اس بازار میں آپ کو دنیا کی ہر چیز مل جائے گی؛ البتہ دوسری چیزوں کی نسبت بچوں اور عورتوں کے کپڑوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ میں بات کر رہا تھا کہ مسجد اموی کو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ان الفاظ کے ساتھ بنانے کا حکم دیا: ''یہاں دنیا کی افضل ترین اور خوبصورت ترین عمارت بنائی جائے۔''

جب اس کی تعمیر شروع ہوئی تو چرچ والے حصے کو بھی مسجد میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔



دمشق کے عیسائیوں نے اس پر شور مچایا کہ ان کی موافقت اور رضامندی کے بغیر چرچ کو مسجد میں شامل کیا جا رہا ہے۔ ولید بن عبدالملک نے ان کے نمائندوں کو بلایا، ان سے میٹنگ کی اور پیش کش کی کہ وہ انہیں چرچ کی منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں، مگر عیسائی نہ مانے۔ ولید کو ایک نئی ترکیب سوجھی۔ شہر میں فتح کے بعد سارے چرچ بند پڑے تھے۔ اس نے پیش کش کی: اگر تم لوگ رضا مندی سے چرچ کی جگہ مسجد کو دے دو تو ہم دمشق میں تمام چرچ عیسائیوں کو واپس کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ پیش کش غیر معمولی تھی۔ عیسائی پادریوں نے باہمی مشورے، اتفاق اور رضامندی سے چرچ کی جگہ مسجد کو دے دی۔ خلیفہ نے اپنے وعدے کے مطابق دمشق کے تمام چرچ عیسائیوں کو واپس کر دیے۔

مسجد اموی کم وبیش تیس کنال یعنی چار ایکڑ رقبہ میں بنی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اردگرد پارکنگ کے لیے کھلی جگہ ہے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ یہ جگہ بھی چار ایکڑ سے کم نہ ہوگی۔ تعمیر میں بارہ ہزار افراد نے حصہ لیا اور دس سال کی مسلسل جد وجہد کے بعد اسے مکمل کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر کا خرچ ایک ملین دینار تھا جو ولید بن عبدالملک نے بڑے کھلے دل سے مہیا کیا۔ اس کے معماروں میں قبطی، ایرانی، انڈین، یونانی اور مراکشی کاریگر شامل تھے۔ مسجد میں ایک چیز بڑی اہم ہے۔ یہ مینارِ عیسیٰ علیہ السلام ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے نزدیک حضرت عیسیٰ اس مینار پر اتریں گے۔ اس مینار کی بلندی 77 میٹر ہے۔ اس مسجد کی ایک اور خوبی بھی عرض کر دوں کہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے کسی مسجد کا جو مینار بنا وہ مسجد اموی ہی کا بنا تھا۔ اب اس میں تین مینار ہیں۔

مسجد سے باہر نکلیں تو کوئی دو تین منٹ کی مسافت پر قبرستان ہے۔ جس کے کنارے پر مشہور مسلم ہیرو صلاح الدین ایوبی کی قبر ہے۔ اس کے ساتھ والی قبر نورالدین زنگی کی ہے۔ میں نے ایک ثقہ سعودی عالم دین کی تقریر سنی کہ افواج فرانس کا کمانڈر انچیف ہنری گراڈ (Henri Giraud) 1920ء میں معرکہ میسلون میں فتح حاصل کرنے کے بعد بطور خاص صلاح الدین ایوبی کی قبر پر جاتا ہے۔ قبر کو دیکھا تو اس کو صلیبی جنگوں میں اپنی شکستیں یاد آ گئیں۔ اس نے اپنا ناپاک پاؤں قبر پر مارتے ہوئے کہا: اٹھو! صلاح الدین اٹھو! دیکھو ہم فتح یاب ہو کر واپس آ گئے ہیں۔ میں جب صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گیا تو کتنی ہی دیر تک کھڑا ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہا۔ یہ عظیم مجاہد بہت بڑا موحد مسلمان تھا۔ صاحب عقیدہ اور صاحب عزیمت تھا۔ کاش مسلمانوں کو اس جیسا ایک کمانڈر اور مل جائے..... میں نے دل ہی دل میں دعا کی۔ اس مسجد کے ساتھ ہی دمشق کا وہ مشہور زمانہ قلعہ ہے جس کی ایک کوٹھری میں امام ابن تیمیہ مدتوں قید رہے۔ میں جب بھی دمشق جاتا اس قلعہ کے سامنے کھڑے ہو کر امام ابن تیمیہ کو ضرور یاد کرتا اور انھیں خراج تحسین پیش کرتا۔ مجھے ان کی قبر پر بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کی قبر کچی ہے ساتھ والی قبر امام ابن کثیر کی ہے۔ اس وقت یہ ایک مستشفی ولادہ (Metrenty hospital) کے اندر ایک چھوٹے سے احاطہ میں ہیں۔ میں نے یہ قبریں محدث شام شیخ عبدالقادر ارناؤط کے ہمراہ دیکھی تھیں۔ وہی مجھے اس جگہ لے گئے تھے۔

مسجد اموی میں مجھے کتنی ہی بار نمازیں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ غالباً دو مرتبہ جمعہ کی نماز بھی ادا کی۔ نماز جمعہ کے بعد امام مسجد کے ساتھ ملاقات بھی کی۔ میں بلاشبہ شام اور بطور خاص دمشق کو بہت پسند کرتا ہوں۔ اہل شام کے ساتھ میری بڑی دوستیاں ہیں۔ وہاں درجنوں کے حساب سے لوگ مجھے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اس شہر کی اپنی ایک خوبصورت تاریخ ہے۔ کہتے ہیں: یہ دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ ممکن ہے بعض لوگ یہ کہیں کہ نہیں! فلاں شہر اس سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ اس بحث میں پڑے بغیر میں یہ کہوں گا کہ یہ شہر بلاشبہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔

ریاض سے سعودی ایئر لائن کوئی ڈیڑھ سے پونے دو گھنٹوں میں دمشق ائر پورٹ پہنچ جاتی ہے۔ یہاں ایک مدت سے اشتراکی نظام حکومت قائم تھا۔ یہ ملک مدتوں روس کے زیر اثر رہا ہے۔ اس لیے یہاں روسی زبان بولنے اور سیکھنے والے بھی مل جاتے ہیں۔ دمشق کا مسافر جب اپنی منزل کے قریب پہنچتا ہے تو ہوائی جہاز ہی میں اسے لینڈنگ کارڈ تھما دیا جاتا ہے۔ دمشق کے وسط میں ایک محلے کا نام ''حلبونی'' ہے۔ یہاں ایک چھوٹے سے ہوٹل کا نام



دارالسلام تھا۔ لینڈنگ کارڈ میں ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کا قیام کس ہوٹل میں ہوگا؟ اس کا نام اور ایڈریس لکھیں۔ تو کسی اور ہوٹل کا نام یاد رہے یا نہ رہے مگر ''دارالسلام'' کا نام تو کسی طور بھولنے والا نہیں تھا۔ میں بلاتامل ایڈریس کے خانہ میں ''دارالسلام حلبونی دمشق'' لکھ دیتا۔ پہلی مرتبہ جب دمشق گیا تو میں ترکی کی سیر کرتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ استنبول سے سورین ائیرلائن کے ذریعہ جب دمشق پہنچا تو امیگریشن لائن میں بڑی خاموشی سے کھڑا ہوگیا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا: یہ لوگ داڑھی والے کو پسند نہیں کرتے۔ لہذا صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا پڑے گا، بس خاموش کھڑے رہنا۔ دو لائنیں عربوں کی اور عرب پاسپورٹ رکھنے والوں کی اور ایک قطار غیرعربی پاسپورٹ رکھنے والوں کی ہوگی۔ میں خاموشی اور بڑے صبر وتحمل سے اپنی باری کا انتظار کرتا رہا۔ جب میری باری آئی تو امیگریشن آفیسر نے زہر آلود نظروں سے مجھے سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا اور بڑے کرخت عربی لہجے میں پوچھا: تم میرے ملک میں کیا لینے آئے ہو؟ میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرکے انگلش میں ''جامعہ اموی'' کا نام لیا۔ اسے بتایا کہ میں بچپن سے اس عظیم مسجد کو دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ آج میری یہ تمنا پوری ہونے جا رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسے انگلش نہیں آتی تھی۔ اس نے میرے پاسپورٹ کو دائیں بائیں سے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مہر لگا دی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سامان لینے کے لیے باہر کی طرف چل دیا۔ دمشق ائرپورٹ بہت چھوٹا اور پرانا ہے، تاہم ایک زمانے میں یہاں شراب کی بہت بڑی دوکان تھی جواب ختم ہوگئی ہے۔

دمشق ائرپورٹ پر میرے ساتھ بہت سارے تجربات ہوئے۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب میں قطار میں کھڑا تھا۔ عموماً میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا، اس لیے کہ امیگریشن سے جلد چھٹکارا مل بھی جائے تو سامان کافی تاخیر سے آتا ہے۔ ایک پولیس والا آیا تو بڑے ادب سے بولا: شیخ! آپ یہاں آخر میں کیوں کھڑے ہیں۔ اس نے میرا پاسپورٹ اپنے ہاتھ میں لیا اور لائن کے شروع میں کھڑا کرکے کہنے لگا: آپ اس بات کے مستحق ہیں کہ آپ سب سے پہلے فارغ ہوں۔

ایک مرتبہ تو حد ہوگئی کہ میں ہوائی جہاز کے دروازے سے نکلا تو ایک لڑکی میرے نام کا سائن بورڈ ہاتھوں میں لے کر کھڑی تھی۔ میں نے تعجب سے دیکھا تو پیچھے سے میرے سعودی دوست کی آواز آئی: شیخ عبدالمالک! یہ تمھارا ہی نام ہے۔ میں نے لڑکی کو اشارہ کیا کہ میں ہی عبدالمالک ہوں، اس کے ساتھ ہی ایک باوردی ملازم نے میرا ہینڈ کیری پکڑ لیا اور وہ پورے پروٹوکول کے ساتھ مجھے وی آئی پی لاؤنج میں لے گئے۔ یہ وہی لاؤنج تھا جہاں پر بادشاہوں اور بڑی بڑی شخصیات کا استقبال کیا جاتا ہے۔ بڑے ادب سے مجھے بٹھایا گیا۔ انھوں نے میرا پاسپورٹ لیا اور اسے سٹیمپ کروانے لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نہایت قیمتی برتنوں میں چائے آگئی۔ میں نے اس خوبصورت کمرے کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ یہ جگہ وی آئی پی لوگوں کے لیے بنائی گئی تھی۔ اتنی دیر میں میرا میزبان استاذ ہانی آگیا۔ السلام علیکم کہتے ہوئے اس نے گرمجوشی سے مجھے گلے لگالیا۔ آج شام میری ایک بہت بڑی کمپنی ''نیو بوائے'' کے مالک کے ساتھ میٹنگ تھی۔ یہ سارا اہتمام اور استقبال کا بندوبست انھی کی طرف سے تھا۔ ایک ملازم آیا تو کہنے لگا: اپنے سامان کا ٹیگ دے دیں۔ میں نے اسے ٹیگ تھمایا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ٹرالی پر میرا سامان لیے ہوئے آگیا۔ استاذ مجاہد! اپنا سامان چیک کرلیں۔ یہ آپ ہی کا ہے نا۔ میں نے اپنے اٹیچی کیس کو ایک نظر دیکھا اور موافقت کا اظہار کر دیا۔ چار پانچ باوردی ملازموں کے جلو میں مجھے ائرپورٹ سے باہر نکالا گیا۔ سامنے مرسڈیز گاڑی کھڑی تھی۔ استاذ ہانی نے سٹیرنگ سنبھالا، اب ہمارا رخ دمشق کی طرف تھا۔ ائرپورٹ سے شہر کوئی تیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہوگا۔ راستہ میں ''غوطہ'' نامی جگہ آتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سیدنا امیر معاویہ رہا کرتے تھے۔ یہیں ان کے محلات اور باغات تھے۔ بعد میں آنے والے اموی خلفاء نے اسی جگہ پر اپنے محلات تعمیر کیے۔ یہ جگہ شہر سے کوئی پانچ سات کلومیٹر کے فاصلے پر ہوگی۔ اب یہاں پر اموی محلات ہیں نہ وہ باغات ہیں جن کا ذکر ہم تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ یہاں اب کھیتیاں ہیں جن میں فصلیں اگتی ہیں۔ اس خطے کی گندم دنیا کی سب سے اچھی اور اعلیٰ گندم سمجھی جاتی ہے۔

دمشق بہت بڑا شہر نہیں ہے۔ اندرون شہر



بالکل اندرون لاہور کی طرح ہے۔ انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل شہر کے پوش علاقے میں ہے۔ یہاں سے مسجد اموی زیادہ دور نہیں۔ ہوٹل کے سامنے حد نگاہ تک کھلی جگہ تھی جس کا نام ''ساحۃ امویۃ'' ہے۔ شہر کے شمال مشرق کی طرف دیکھیں تو اوپر'' جبل قاسیون'' ہے۔ دنیا کا سب سے قدیم پہاڑ جس کے بارے میں روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کی بیٹے قابیل نے ہابیل کو اسی جگہ قتل کیا تھا۔ یہاں ایک خانقاہ بھی ہے ایک لمبی سی قبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ہابیل کی قبر ہے۔ جبل قاسیون میری سب سے پسندیدہ جگہ ہے۔ میں شروع دن ہی سے اس مقام کو بہت پسند کرتا ہوں۔ شہر سے یہاں پہنچنے تک قریبا آدھ گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ شروع میں یہاں پہاڑ کاٹ کر سڑک بنائی گئی تھی جس کے کنارے ایک چھوٹی سی دیوار تھی۔ شام کو عموماً یاسر طباع مجھ سے پوچھتا: عبدالمالک! رات کا کھانا کہاں پسند کرو گے؟ عموماً میرا جواب ہوتا: جبل قاسیون پر۔ دمشق کے کھانے بلاشبہ بڑے لذیذ ہوتے ہیں۔ ہم نیچے سے کباب، شاورما، سلاد اور کچھ دوسری چیزیں خرید کر اوپر لے جاتے۔ جبل قاسیون پر ایک چھوٹی سی دیوار تھی جو سڑک اور نیچے کی کھائی کے درمیان تھی۔ اصل چیز جو میری دلچسپی یا کسی بھی سیاح کے لیے ہوسکتی ہے وہ رات کا منظر ہے۔ یہاں سے پورا دمشق نظر آتا ہے۔ رنگ برنگی بتیاں، بجلی کے بلب اور شہر کی لائٹیں اس طرح نظر آتی ہیں گویا آسمان سے تارے نیچے اتر آئے ہوں۔ دمشق ایک پیالے کی طرح نظر آتا ہے اور وہ پیالہ رنگ برنگی روشنیوں سے بھرا ہوا ہے۔ مجھے تو یہ منظر بالکل اس طرح لگتا ہے جیسے چمکتے ہوئے لاکھوں ہیرے اور جواہرات ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہوں۔ غور سے دیکھیں تو اس پیالے کے بائیں طرف ''مسجد اموی'' بھی نظر آجاتی ہے۔

میں اس منظر کو گھنٹوں دیکھتا رہتا۔ یاسر طباع اس کا بھائی عمر اور میں اس چھوٹی سی دیوار پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے۔ اپنے سامنے کبابوں اور شاورما کی پلیٹ رکھ لیتے۔ یہ جوانی کا زمانہ تھا۔ میرے علم کی حد تک سب سے زیادہ مزیدار کباب تین ملکوں میں ملتے ہیں۔ کہتے ہیں: اصل میں یہ ڈش ''ترکی'' ہے۔ ترکی یہاں سے بہت زیادہ دور نہیں۔ ایک زمانے میں استنبول سے دمشق اور پھر دمشق سے مدینہ منورہ ریل کے ذریعہ آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ آج بھی دمشق کے وسط میں علامتی طور پر اس دور کا ریلوے اسٹیشن اور انجن موجود ہے۔ عثمانی دور خلافت میں خلیفۃ المسلمین ترکی، شام اردن، لبنان اور سعودی عرب میں واقع حجاز کے علاقے پر حکومت کرتے تھے۔ اس دور میں پاسپورٹ ہوتا تھا نہ ویزا اور نہ ہی امیگریشن کی رکاوٹیں تھیں۔ خیر آج کے دور میں بھی شام کے باشندوں کو لبنان، اردن مصر، یمن، مراکش، الجزائر کے ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے شام میں ان ملکوں کے طالب علموں کو بازاروں میں علم کی تلاش میں پھرتے دیکھا ہے۔

میں بتا رہا تھا کہ جبل قاسیون پر بیٹھ کر ہم آپس میں باتیں بھی کرتے جاتے، کباب اور شاورما بھی مزے لے لے کر کھاتے۔ اس دوران میری نگاہیں دمشق کے اس خوبصورت منظر پر ہوتیں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ میں نے درجنوں بار اس جگہ بیٹھ کر رات کا کھانا کھایا ہے۔ موسم اتنا شاندار کہ سخت گرمی کے موسم میں بھی یہاں خنکی محسوس ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں یہاں زیادہ رش نہ ہوتا تھا۔ حکومت نے نیچے ''الْجُنْدِي الْمَجْهُولُ'' کے مقام پر چاروں طرف بڑی بڑی ٹی وی سکرینیں لگا رکھی تھی۔ سر شام مرد، عورتیں، بچے، بچیاں یہاں پر آجاتے۔ اکثر فولڈنگ کرسیاں ساتھ لے کر آتے۔ چائے اور قہوہ کی تھرماس سامنے رکھی ہوتی ہیں۔ سکرینوں پر فٹ بال میچ چل رہے ہیں۔ حقہ جسے یہاں کی زبان میں ''شیشہ'' کہتے ہیں، اس کا رواج عام ہے۔ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شیشہ پیتی ہیں۔ لوگ اپنے حال میں مست ہیں۔ رات گئے تک یہ شغل چلتا رہتا ہے۔ جبل قاسیون پر اب تو بڑے بڑے خوبصورت ریسٹورنٹ بن گئے ہیں۔ خاصے مہنگے ریسٹورنٹ، جن میں اب دنیا جہان کے کھانے ملتے ہیں، مگر جو سادگی اور مزا اس دیوار پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا تھا وہ بڑے مہنگے ریسٹورنٹس میں بھی نہیں ملتا۔ میں نے جبل قاسیون پر جو لطف اٹھایا تھا وہ اب شاید دوبارہ نصیب نہ ہو۔ اس ملک کے حالات جس تیزی سے خراب ہوئے ہیں اس کے سبب یہ بہاریں اور نظارے ختم ہو چکے ہیں۔ گزشتہ تین چار سال سے جاری خانہ جنگی نے اس ملک کو بیس سال پیچھے دھکیل دیا ہے۔ (جاری ہے)



حافظ شبیر صدیق

عامر لیاقت کی علمی لیاقت

اٹھاتے نہیں کیوں نبی کا جنازہ
کہاں مر گئے بیٹیاں دینے والے؟

''بنوامیہ کے دور میں حدیثیں گھڑنے والو!''..... ''جس نے اللہ کے مصطفیٰ پر احسان کیا (مراد ابوطالب) اسے تم نے جہنم میں پہنچادیا۔''..... ''ارے بے ادبو! (صحابہ) تم تو سرگوشیاں بھی سننے لگے؟''..... ''پہلے تو چھپ چھپ کر باتیں سنتے تھے اب کان لگا لگا کر چچا (ابوطالب) اور بھتیجے (محمد ﷺ) کی گفتگو بھی سننے لگے؟''..... ''احد کے میدان میں لیے چلتا ہوں جب سب (صحابہ) چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔''.....

نامِ علی کا وِرد عبادت ہے دوستو
یہ نام روشنی کی علامت ہے دوستو
یہ ذکرِ آگہی کی شریعت ہے دوستو
سایہ نبی اور سایہ رحمت ہے دوستو
آتی صدا ہے دم بدم یہ آسمان سے
قرآن بولتا ہے علی کی زبان سے

محترم قارئین کرام! بات شروع کرنے سے پہلے درج بالا جملوں کے بارے وضاحت کرنا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا جملوں سے واضح ہے کہ ان میں صحابہ کرام جیسی عظیم ہستیوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان جملوں کو سنتے ہوئے خون کھول رہا تھا اسی طرح انھیں لکھتے ہوئے بھی قلم کانپ رہا ہے۔ یہ جملے کسی عام آدمی کی زبان سے نکلے ہوئے نہیں ہیں بلکہ یہ الفاظ اس آدمی نے اگلے ہیں جو اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنے میں بڑا فخر محسوس کرتا ہے، اگرچہ اس کا ''جعلی ڈاکٹر'' ہونا بھی ثابت ہوچکا ہے۔ یقیناً آپ مضمون کا عنوان پڑھ کر ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ ہماری مراد کون سی شخصیت ہے۔ بہرحال ہم وضاحت سے بتائے دیتے ہیں کہ اپنے خبثِ باطن کو ظاہر کرنے والی یہ شخصیت کون ہے۔ یہ ملک کے ایک معروف ٹی وی چینل پر میزبانی کے فرائض انجام دینے والے ''ڈاکٹر عامر لیاقت'' ہیں۔ موصوف میڈیا پر ''متنازع فیہ شخصیت'' کے اعتبار سے بھی معروف ہیں اور ''متنازع مذہبی سکالر'' کے نام سے بھی ان کا تعارف کروایا جاتا ہے۔ اگر ہم موصوف کی ذات کے حوالے سے لکھنے بیٹھیں تو بہت سارے صفحات سیاہ ہوجائیں لیکن کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالنا ہمارا موضوع سخن نہیں ہے۔ ان کی ذاتی لیاقت کیا ہے؟ اس حوالے سے مختلف اسکینڈل میڈیا پر آچکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان مختلف اسکینڈلز کے منظر عام پر آنے سے پہلے جو لوگ موصوف کے عقیدت مند تھے آج وہی حضرات ان کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

جہاں تک موصوف کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا تعلق ہے اس حوالے سے بھی یہ رپورٹ اخبارات کی زینت بن چکی ہے کہ موصوف بالکل ایسے ہی جعلی ڈگری کا سہارا لیے پھرتے ہیں جیسے اندھے کو لاٹھی کا سہارا۔ اب تو موصوف کی ڈگری ایک مزاحیہ مثال کا شکار ہوچکی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میرے پاس ''ڈاکٹریٹ'' کی ڈگری ہے تو اس سے سب سے پہلے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس

''ڈاکٹر عامر لیاقت'' والی ''ڈگری'' تو نہیں ہے؟ ظاہر ہے اگر مخاطب شخص کے پاس اصلی ڈگری ہوگی تو وہ نفی میں جواب دے گا اور اپنی ڈگری کی توثیق بیان کرے گا کہ میری ڈگری اصل ہے جعلی نہیں ہے۔

بہرحال موصوف کے حوالے سے ہمارے قلم اٹھانے کا بنیادی سبب موصوف کا صحابہ کرام جیسی عظیم ہستیوں کے بارے میں گھٹیا اور گندی زبان کا استعمال کرنا ہے۔ ٹی وی چینل اور اخباری کالموں میں اپنے علم اور فن کا مظاہرہ کرنے والے اس جعلی ڈاکٹر کی حقیقت کیا ہے؟ اس حوالے سے کچھ اہم نکات نوکِ قلم پر لانے کی جسارت کریں گے۔ اگر مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کیا جائے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے تانبے یا لوہے کی چیز پر سونے کے پانی سے لیپ کردیا جائے۔ اوپر سے تو وہ چیز بہت خوبصورت اور اعلیٰ نظر آتی ہے مگر حقیقت میں اندر سے وہ اتنی ہی بدصورت ہوتی ہے۔ یہی حال موصوف کا ہے کہ بظاہر اپنے آپ کو اعتدال پسند ثابت کرنے والا اپنے اندر حددرجہ منافقت اور بغض کی فصل بوئے ہوئے ہے۔ ذیل میں ہم موصوف کی علمی لیاقتوں کا بھی جائزہ لیں گے۔ اس حوالے سے ابتدا تمام کائنات کے خالق و مالک سے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ موصوف کا اپنے رب کی ذات کے بارے میں کیا علم، عقیدہ اور نظریہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اہل ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی چیز کے ساتھ تمثیل بیان نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے۔ اس کی ذات کو کسی محدود چیز کے ساتھ بیان کرنا ایمان کے منافی ہے۔ مگر ''ڈاکٹر صاحب'' کی علمی لیاقت اہل ایمان کے اس متفقہ عقیدے کی انکاری ہے۔ موصوف اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''اللہ تو ایسی نورانی قندیل ہے جو گمراہوں کو راستے پر لے آتی ہے۔'' (روزنامہ جنگ، 13 اپریل 2007ء) گویا موصوف کے نزدیک اللہ تعالیٰ ایک نورانی قندیل کی مثل ہے جہاں چاہے لٹکا دیا جائے، نعوذباللہ۔ اس سے باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کو ایک قندیل تک محدود کردے تو اس کے بقیہ نظریات کیسے ہوں گے۔ ظاہر ہے ایسا شخص پھر دیگر معاملات میں بھی اللہ جیسی عظیم ہستی کو چھوڑ کو مخلوق کی طرف رجوع کرے گا۔ اس کی واضح مثال موصوف کا ایک مضمون ہے۔ اہل ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ جب بھی کسی بات کا یقین دلانے کے لیے قسم اٹھائی جائے تو صرف اللہ کے نام کی قسم اٹھائی جائے۔ تمام صحابہ بشمول حسن و حسین رضی اللہ عنہم کا بھی تاحیات یہی عقیدہ رہا ہے۔ چونکہ موصوف کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات کی حیثیت ایک قندیل کی مانند ہے، اس لیے جب قسم اٹھانے کی ضرورت ہوئی تو مخلوق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں: امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی روح مقدس اور ائمہ اربعہ کے حق پرستانہ مسلک کی قسم! (روزنامہ جنگ، 9 نومبر 2007ء) اور پھر ایسے لوگ ورد بھی خالق کے بجائے مخلوق ہی کا کرتے ہیں اور وہ ورد ہی ان کی کل عبادت ہوتا ہے۔ اسی لیے تو موصوف اپنی تقریر میں فرماتے ہیں:

نام علی کا ورد عبادت ہے دوستو

آخرکار انجام یہ نکلتا ہے کہ قبولیت کا حق بھی مخلوق ہی کو دے دیتے ہیں۔ اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں: مولا علی کے مناقب پر کی گئی گفتگو اگر طالب قبول کرلے تو ہماری بخشش کا سامان ہوجائے گا۔

محترم قارئین! ایک چینلی ڈاکٹر کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ اور نظریہ ہے۔ کیا کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ ایک قندیل کی مثل ہے؟ ایک مسلمان قطعاً اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی سوچ نہیں قائم کرسکتا۔ اور پھر ظلم کی انتہا یہ کہ جو اللہ کی صفات ہیں مخلوق کو ان سے متصف کردیا۔ موصوف کی عبادت بھی مخلوق کے اردگرد گھومتی ہے اور قبولیت کا دائرہ کار بھی مخلوق ہی تک محدود ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد مخلوق میں سے سب سے عظیم ہستی اللہ کے پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔ جو بات بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی اس پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اسی طرح جو بات آپ ﷺ نے بیان نہیں کی اس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کرنے سے گریز کرنا بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ مگر قربان جائیے ڈاکٹر صاحب کی علمی لیاقت پہ کہ اس حد کو پار

کرنے کی بھی حد کردی اور نبی ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کے بھی ماہر ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ پر بہتان لگاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور جو اپنے خالق، رازق، مالک اور داتا کو منزل بنا کر عبدیت کی راہوں کے اس طرح مسافر بنتے ہیں کہ ان کی سماعتوں میں پیارے مصطفیٰ ﷺ کی یہ آواز شیریں آرہی ہوتی ہے کہ «اَلشَّوقُ مَرْكَبِي» ''شوق میری سواری ہے۔'' وہی نور کے راستے پالیتے ہیں۔''

(روزنامہ جنگ، 20 اپریل 2007ء)

موصوف کی یہ بیان کردہ حدیث تلاش بسیار کے باوجود ہمیں صحیح ذخیرہ حدیث سے نہیں مل سکی۔ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے کہاں سے نقل کی ہے۔ الفاظ کا ظاہر تو یہی بتاتا ہے کہ ذخیرہ احادیث کے ساتھ ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ بہرحال یہی کہا جاسکتا ہے کہ موصوف حدیث کے حوالے سے بھی کمال کے ''گھڑنتو'' ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احادیث گھڑنے کے طعنے دینے والے شخص کی اپنی حالت اور کیفیت یہ ہے کہ نبی ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے میں ذرہ برابر شرم محسوس نہیں کرتا اور بلا جھجک حدیث گھڑتا جاتا ہے۔

نبی ﷺ کے بعد افضل ترین لوگ صحابہ کرام ہیں۔ صحابہ کرام سے محبت اہل اسلام کے ایمان کا حصہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی نازیبا جملہ کہنا ایمان سے خارج کردیتا ہے۔ مگر کیا کہنا ڈاکٹر صاحب کا کہ صحابہ کرام کو بھی معاف نہ کیا اور بڑے بہادر نکلے۔ یوں لگتا ہے جیسے صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہے (ویسے ڈگری ہے تو جعلی)۔ موصوف صحابہ کرام پر طعن وتشنیع کرنے کے حوالے سے خاصا بغض اپنے سینے میں سموئے ہوئے ہیں۔ مضمون کی ابتدا میں موصوف کے ذکر کردہ جملے اس کی بین دلیل ہیں۔ افضل الامۃ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں موصوف خاصا بغض اپنے سینے میں رکھتے ہیں۔ ''اٹھاتے نہیں کیوں نبی کا جنازہ..... کہاں مرگئے تھے بیٹیاں دینے والے'' یہ جملہ کس قدر بغض وعناد پر مبنی ہے، اس کا اندازہ ایک صاحب دل ہی کرسکتا ہے۔ مضمون کی ابتدا میں دیے گئے توہین آمیز جملے ایک بار پھر پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ اپنے آپ کو ''مذہبی سکالر'' کہلانے والا کس قدر بغض وعناد اور غلاظت سے بھرا ہوا ہے۔ اسے انتہا درجے کی منافقت کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اپنے مقصد کی خاطر تو صحابہ کرام کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا جائے اور جب مقصد پورا ہوجائے تو آسمان سے زمین پر پٹخ دیا جائے یا کسی خاص گروہ کی محفل میں جاکر صحابہ کرام کو آڑے ہاتھوں لیا جائے اور عام لوگوں میں ان کی تعریف میں پل باندھ دیے جائیں۔ ایک خاص فرقے کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام کو ایمان سے خارج کردیا جائے اور سادہ لوح عوام کو چکر دینے کے لیے انھی صحابہ کرام کو اپنے ایمان کی کسوٹی قرار دے لیا جائے۔

موصوف کا ایک رخ تو یہ ہے کہ ایک گمراہ فرقے کی ایک مجلس میں صحابہ کرام کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرتے اور زہر اگلتے ہیں جس کے کچھ اقتباسات ہم نے ابتدا میں ذکر کیے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ عام لوگوں کی طرف سے بھی داد وصول کرنے کے لیے صحابہ کرام کی تعریفوں کے انبار لگادیتے ہیں۔ موصوف ایک جگہ لکھتے ہیں: اگر محمد ﷺ چاند ہیں تو صحابہ کرام ستارے۔ (آثار قیامت: 58/1) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ چمکے تو صداقت کی راہیں نظر آئیں۔'' (روزنامہ جنگ، 13 اپریل 2007ء) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''سیدنا فاروق اعظم جب تک حیات رہے مسلمانوں میں کسی بڑے فتنے نے سر نہیں اٹھایا۔'' (آثار قیامت: 137/1) انھی کے دور خلافت کے بارے میں ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''مگر فی الحال سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور الذہب کے اس واقعے کو گرہ باندھ لیجیے.....۔''

(روزنامہ جنگ، 29 جون 2007ء)

موصوف کے اس طرز عمل پر کیا تبصرہ کیا جائے کہ جو اگر اپنوں کی محفل میں جائیں تو زبان صحابہ کرام کے خلاف غلاظت کا لوتھڑا بن جائے اور اگر غیروں میں آئیں تو وہی زبان آبِ زم زم سے دھلی ہوئی نظر آئے۔ اگر اپنوں میں ہوں تو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو بیٹیوں کے نام لے کر طعنے دیں اور زبان درازی کرتے ہوئے یہ کہیں: ''کہاں مرگئے تھے بیٹیاں دینے والے؟'' اور جب غیروں میں ہوں تو ان ہستیوں کی تعریفوں کے قلابے آسمان سے ملادیں اور ان کے دور کو

دورالذہب قرار دے دیں۔ ایسا طرز عمل دیکھ کر ذہن میں خیال آتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا آخر کیا قصور تھا جو اسے منافق قرار دیا گیا؟ اس کا بھی تو یہی طرز عمل تھا کہ اپنوں کی محفل میں اپنوں کے ساتھ اور اہل ایمان کا دشمن اور جب اہل ایمان میں آتا تو ظاہراً ان سے پیار کی پینگیں چڑھاتا مگر دل میں بغض وعناد کا طوفان بپا ہوتا۔ اگر یہ طرز عمل اپنا کر عبداللہ بن ابی منافق ٹھہرا تو موصوف کے بارے میں کیا کہا جائے؟ فیصلہ آپ پر..... ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شاعر نے کہا تھا۔

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

چونکہ موصوف ایک بہت بڑے فنکار ہیں (مذہبی سکالر کہنا مذہب کی توہین ہے)، اس لیے مسلمان کو کافر اور کافر کو مسلمان ٹھہرانے کا بھی ان کے پاس کمال فن ہے۔ موصوف چاہیں تو ایک پکے مسلمان کو جہنم میں پہنچا دیں اور اگر چاہیں تو پکے کافر کو جنت کا ٹھیکیدار بنا ڈالیں۔ تبھی تو موصوف نے نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو پکا موحد اور جنتی قرار دے ڈالا۔ اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں: ''نفیل سب کچھ جانتا تھا، اس نے عبدالمطلب کی موحدیت اور خدائے واحد پر ان کے پختہ ایمان کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔'' (روزنامہ جنگ، 21 مارچ 2008ء) ایک دوسرے کالم میں اللہ کی رضا کا پروانہ عنایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آج تو عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا آنگن نبوت کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ بھی بڑے مسرور ہیں.....۔'' (روزنامہ جنگ، 21 مارچ 2008ء) اسی کالم میں نبی ﷺ کی والدہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ایک طرف بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کا چہرہ مسرت سے معمور ہے.....'' (روزنامہ جنگ، 21 مارچ 2008ء)

موصوف کی علمی لیاقت کا اندازہ ان اقتباسات سے لگائیں کہ جن افراد کے بارے میں احادیث میں صراحت آچکی ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھے، انھی کو جنت میں پہنچانے پر مصر ہیں۔ کیا یہ احادیث کا انکار نہیں ہے؟ کیا یہ احادیث کا بے دردی سے قتل نہیں ہے؟ موصوف ذرا اپنے ہی گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ان کا شمار کن لوگوں میں ہے؟ اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں: مجھے حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ دن رات حدیث کے خلاف لکھنے اور بولنے والے حدیث ہی کا سہارا لینے پر کیوں مجبور ہیں؟ (روزنامہ جنگ، 29 جون 2007ء) موصوف دوسروں پر تو اعتراض کرتے ہیں مگر اپنی حالت یہ ہے کہ صحیح احادیث کو ٹھکرا کر اپنی عقل کو عقل کل کا درجہ دے کر ایمان اور کفر کے فیصلے کر رہے ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب کی تو میرے رب نے مجھے اس بات کی اجازت نہیں دی۔'' (صحیح مسلم: 976) دعا کی اجازت نہ ملنے کی وجہ صرف یہی تھی کہ ان کی موت دین اسلام پر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی ﷺ کو اپنی والدہ کے لیے دعا کرنے کی بھی اجازت نہ دی مگر موصوف اس بات پر بضد ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا۔

موصوف پاکستان کے بارے میں بھی اپنے دل میں انتہا درجے کا بغض اور عداوت رکھتے ہیں۔ افغانستان ایک اسلامی ملک ہے۔ استحکام پاکستان کی خاطر پاکستان کے افغانستان کے ساتھ اچھے تعلقات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایک تو اس لیے کہ وہ اسلامی ملک ہے اور دوسرا اس لیے کہ پاکستان سے محبت ان کے دلوں میں موجزن ہے۔ مگر موصوف افغانستان کے بارے میں زہر اگلتے ہیں تاکہ نہ ہی دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات بہتر ہوں اور نہ ہی پاکستان استحکام پکڑے۔ موصوف لکھتے ہیں: ''مکے میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا ایک پڑوس بھارت کی سمت تھا جو ''عمرو بن ہشام، یعنی ابوجہل'' کا گھر تھا اور دوسرا پڑوس افغانستان کی سمت تھا جو ''امیہ بن خلف'' کا گھر تھا، نہ وہ پڑوسی اچھے تھے نہ یہ پڑوسی بہتر ہیں۔'' (روزنامہ جنگ، 17 اکتوبر 2008ء) گویا موصوف کے مطابق ایک اسلامی ملک کے تمام باشندے ''امیہ بن خلف'' کی مانند ہیں۔ جب ایک اسلامی ملک کے باشندوں کو ایک کافر اور دشمن اسلام سے تشبیہ دی جائے گی تو ان کے جذبات کیا ہوں گے۔ جو شخص اسلام سے محبت کرنے والوں کے بارے میں یہ سوچ اور نظریہ رکھتا ہو تو اسلام کے ساتھ وہ کتنا مخلص ہوگا، اس کا اندازہ مذکورہ عبارت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

❁❁❁❁

ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کو جلائے جانے کا واقعہ اور اس کی اسنادی حیثیت

سوال رسول اللہ ﷺ کے آخری دور میں یمن میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس نے ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کو بلا کر اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، انھوں نے انکار کر دیا تو آپ کے انکار پر اسود عنسی نے انھیں آگ میں ڈلوایا مگر آگ بے اثر ہوگئی۔ پھر اسود عنسی نے انھیں جلاوطن کیا، یہ مدینہ میں آئے، مسجد کے ستون کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یمن میں یہ یہ واقعہ سنا ہے کیا تم ہی وہ ابومسلم خولانی ہو۔ تو انھوں نے کہا: ہاں میں ہی ہوں۔ تو آپ نے خوشی سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے موت سے قبل ہمیں امت محمدیہ کے ایک شخص کی زیارت کرائی۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی مطلع کیا..... سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک درست ہے؟ (جمیل احمد اعوان، سبزہ زار، لاہور)

جواب مذکورہ بالا سوال کا جواب بعض وجوہ سے تاخیر کا شکار ہوا تھا، اب حاضر خدمت ہے۔ یہ واقعہ درست ہے، اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے اسماعیل بن عیاش حمصی اور ان کے شیخ محترم شرحبیل بن مسلم خولانی حمصی کے، کہ یہ دونوں صدوق ہیں۔ اسماعیل بن عیاش غیر شامیوں سے روایت کریں تو حجت نہیں ہوتی لیکن چونکہ یہاں اپنے شامی شیخ سے روایت کرتے ہیں اس لیے قابل حجت ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں اس واقعہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

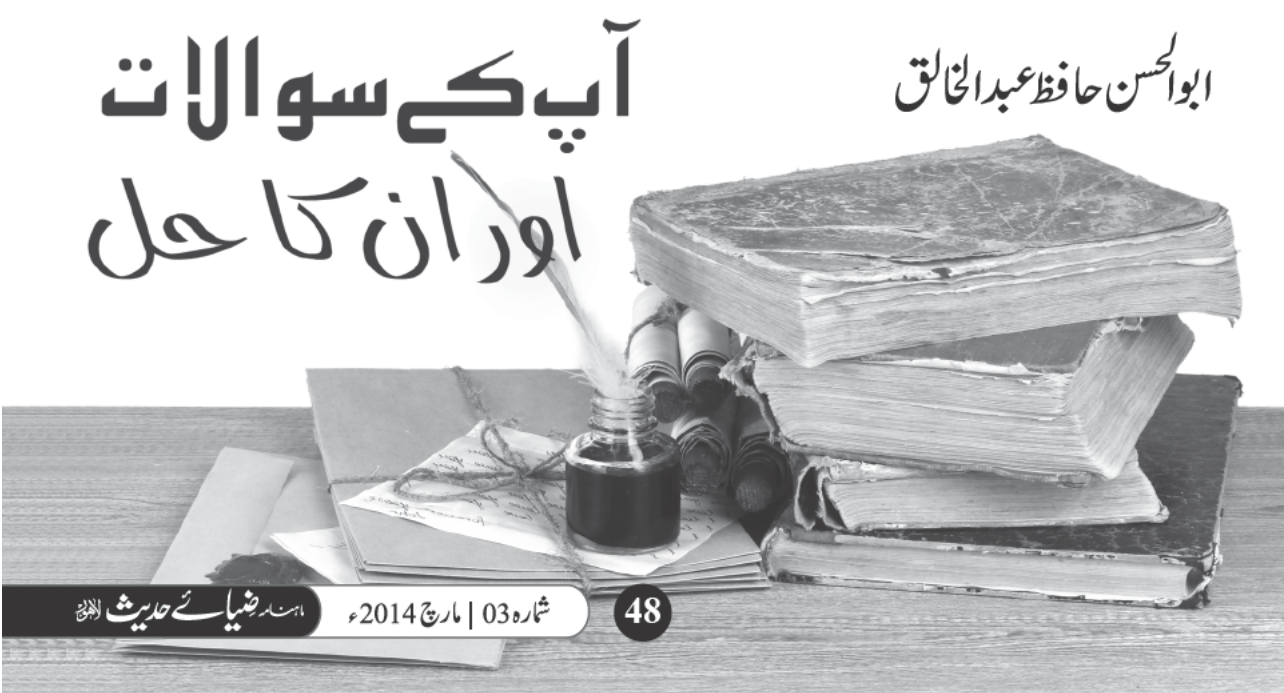
«إسماعيل بن عياش ليس بحجة في غير الشاميين وهو فيما حدث به عن الشاميين أهل بلده لابأس به» (استيعاب، ص: 845-846)

یہ واقعہ مندرجہ ذیل کتب میں ملا ہے۔: ابن حبان: 339/2، حلية الأولياء: 150/2، 138/5، استيعاب،ص: 845-846، البداية والنهاية: 395-394/5، إشراف دكتور بشار، سيرأعلام النبلاء: 9-8/4 اور ابن عساکر میں بھی ہے۔

صریح روایت میں مذکورہ قول: «الحمدلِلّٰهِ الذي أَرانا في هذه الأمة من أُحرق فَلَمْ يحترق مثل إبراهِيم» بجائے عمر رضی اللہ عنہ کے، بصراحت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

آٹا ادھار لینے کی شرعی حیثیت

سوال عام طور پر رواج ہے کہ ہمسائے ایک دوسرے سے آٹا ادھار لیتے دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟





جواب شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ ادھار ہے بیع نہیں۔ حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ سے بھی اس قسم کا سوال ہوا تھا، وہ سوال اس سے واضح تر اور جامع ہے۔ سوال یہ ہے: ''جیسا کہ معلوم ہے اگر کسی چیز کو کسی چیز، جبکہ جنس ایک ہو، سے بیع کرنی ہو تو اس میں «يَدًا بِيَدٍ» اور «مَثَلًا بِمَثَلٍ» کی شرط ہے تو عام رواج ہے کہ آپس میں گھروں میں اور محلوں میں جب کوئی کسی سے آٹا یا کوئی بھی چیز ادھار لی جاتی ہے پھر اس کے بعد ادا کی جاتی ہے تو ایک طرف سے تو «يَدًا بِيَدٍ» ہے اور دوسری طرف سے نَسِيئہ (ادھار) ہے، کیا یہ جائز ہے؟

حافظ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: «يَدًا بِيَدٍ مَثَلًا بِمَثَلٍ» بیع کی صورت میں ہے، آپ نے جو صورت ذکر کی ہے وہ عاریہ اور ادھار کی صورت ہے اور ظاہر ہے کہ عاریہ اور ادھار میں يَدًا بِيَدٍ والا قاعدہ نہیں چلتا ورنہ عاریہ اور ادھار کا حرام ہونا لازم آئے گا۔ ہاں سود عاریہ اور ادھار کی صورت میں بھی آجائے تو وہ ناجائز ہے.....۔(احکام و مسائل:392/1)

سوال کسی نے پوچھا ہے کہ کیا کسی حدیث میں صراحتاً بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ سے پیشاب کرنا ثابت ہے؟ حدیث میں تو صرف کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ بیٹھ کر پیشاب کرنا تو فقہ نے سکھایا ہے، کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا، اس لیے تم کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرو، کیونکہ روایات میں تو اسی کا ذکر ملتا ہے۔ (ایک سائل)

ائمۂ کرام کا فقہی مقام اور ان کی تشریعی حیثیت

جواب اصل جواب سے قبل تمہیداً کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ قرآن وسنت میں تفقہ اور گہرائی سے غور وفکر مطلوب ہے۔ الحمدللہ محدثین کرام اور ان کے مشن کے حاملین ہنوز اس پر بھرپور کاربند ہیں، لیکن آزادئ فکر ہونی چاہیے جمود نہیں، ہاں جو چیز قابل مذمت ہے اور جس کی ہم من حیث الجماعۃ تردید کرتے ہیں، وہ فقہی وشخصی اور تقلیدی وہ تعصب و جمود ہے جس کا تقریباً ہر متعصب مقلد شکار ہوتا ہے، اور اپنے مخصوص نظریات وافکار ہی کی روشنی میں ہر مسئلے کا حل ڈھونڈتا ہے اور اس دائرہ سے وہ باہر آنا گوارا نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ اس کے سامنے کتنی ہی وہ صریح اور صحیح احادیث لاکر کیوں نہ رکھ دی جائیں جو اس کے مزعومہ نقطۂ نظر کے خلاف ہوں، وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا اور ان سے انتہائی ناروا سلوک برتتا ہے۔ اس کی ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں تیسیوں مثالیں موجود ہیں۔

بلاشبہ محدثین کرام اور فقہاء عظام کی دینی کاوشیں انتہائی قابل قدر ہیں، ہم انھیں سراہتے ہیں اور ان سے خوب خوب مستفید بھی ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ یہ عظیم ہستیاں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوصف معصوم نہ تھیں، بلکہ ان سے بھی کافی اجتہادی وعلمی خطائیں سرزد ہوئی ہیں، اور اُن کا انھیں اعتراف بھی تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے قیاسات واجتہادات کو قرآن اور صحیح سنت پر پرکھنے کی خود اپنے تلامذہ کو تلقین فرمائی ہے۔ ہمارا وتیرا بھی یہی ہونا چاہیے۔ تو اگر کسی مسئلے کی تصریح قرآن وسنت میں نہیں ملتی اور کوئی مجتہد اس کے نظائر یا نصوص کے عمومات سے اس کا حل ڈھونڈتا ہے اور وہ کسی نص کے منافی بھی نہ ہو تو وہ اجتہاد قابل عمل اور یہ کوشش عنداللہ اجروثواب کی باعث ہوگی۔ بہرحال غیر مشروط اتباع کے لائق صرف نبی خاتمی مرتبت ہی کی ذات بابرکات ہے۔ وہی شارع ومقنن ہیں، نہ کہ یہ ائمہ کرام رحمہم اللہ۔ اس لیے آپ علیہ السلام کے قول وفعل یا عمل ہی میں دنیوی و اخروی عافیت وسعادت پنہاں ہے، اس کے برعکس آپ کی سنت کے منافی کسی امتی کا کوئی ذاتی اجتہاد یا رائے ہمارے نزدیک کھوٹی کوڑی کی بھی حیثیت نہیں رکھتی، یہی ہمارا منہج اور یہی ہمارا مسلک ہے۔ ایک اصولی بات تھی اس لیے تمہید لمبی ہوگئی، اب جواب حاضر خدمت ہے:

بیٹھ کر پیشاب پاخانہ کرنے کی مشروعیت

ایک آدھ دفعہ اگر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا منقول ہے تو آپ کے قول وفعل اور سنت سے بیٹھ کر بول وبراز کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس لیے ہم سنت ہی پر عمل کرتے ہیں، وللہ الحمد، مروجہ فقہ کا اس میں کوئی نیا کارنامہ نہیں ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ کسی ضرورت کے تحت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھے تو اچانک رسول اللہ ﷺ پر نظر پڑگئی، کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے، حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے: «لَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى



ظَهْرِ بَيْتِنَا فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ قَاعِدًا عَلٰى لَبِنَتَيْنِ» (صحيح البخاري، حديث: 149,145، وصحيح مسلم، حديث: 266) محل استدلال یہ جملہ ہے: «قَاعِدًا عَلٰى لَبِنَتَيْنِ» ''دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔''

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُم عَلٰى حَاجَتِهِ فَلَا يَسْتَقْبِلَنَّ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا» ''جب تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تو قطعاً قبلہ رخ منہ نہ کرے اور نہ پیٹھ ہی۔'' (صحيح مسلم، حديث: 265)

سنن أبي داود میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث بھی منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اس وقت تک اپنا کپڑا نہ اٹھاتے تھے جب تک کہ زمین کے قریب نہ ہو جاتے، نص یہ ہے: «كَانَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَايَرْفَعُ ثَوْبَهُ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ» (سنن أبي داود، حديث: 14)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے طرق وشواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔ (الصحيحة: 60/3)

سراقہ بن مالک سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ (قضائے حاجت کے وقت) ہم بائیں پاؤں پر بیٹھیں اور دائیں کو کھڑا رکھیں، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے بلوغ المرام میں ضعیف کہا ہے۔ (سبل السلام: 176/1، تحقيق حازم علي) سنن بیہقی وغیرہ میں موجود ہے (96/1)

یہ وہ چند دلائل ہیں جو میری نظر سے گزرے ہیں، جن کی روشنی میں مذکورہ مدعی کا دعویٰ باطل ٹھہرتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے مستند طور پر بیٹھ کر پیشاب اور قضائے حاجت کرنا ثابت ہوتا ہے، وباللہ التوفیق۔

تحقیق کی جائے یا اللہ کے نام پر دے دیا جائے؟

سوال پیشہ ور گداگروں سے تعاون کر کے گداگری کو پروموٹ کرنا کیسا ہے؟ جبکہ اکثر فقیر یا مانگنے والے تحقیق کرنے کے نام سے بھاگ جاتے ہیں۔ تحقیق کی جائے یا اللہ کے نام پر دے دیا جائے؟ (ایک سائل)

جواب پیشہ ور گداگروں سے تعاون کر کے گداگری کو پروموٹ کرنا غلط ہے لیکن اس میں تفصیل ہے اور سائلین کی مختلف قسمیں ہیں:

① کچھ غیر اللہ کے نام پر سوال کرتے ہیں، اس قسم کے لوگ مستحق ہوں یا غیر مستحق ان سے تعاون کرنا حرام ہے کیونکہ وہ غیر اللہ کے نام پر مانگتے ہیں اور یہ شرک ہے، تو ان سے تعاون معصیت پر تعاون کے زمرے میں آتا ہے۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعض مناسبات اور خاص مواقع پر مانگتے ہیں، مثلاً: ہمارے ہاں عموماً جمعرات کے دن اور شب براءت وغیرہ کا حوالہ دے کر اور اسے مقدس جان کر مانگتے ہیں اور بعض سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر بچوں کو منگتا بنا کر مانگتے ہیں۔

② کچھ وہ جو واقعتاً ضرورت مند ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ بھی دیتے ہیں تو ایسے لوگوں کا تعاون کرنا حسب استطاعت فرض ہے، کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے، کیونکہ ایک تو وہ ضرورت مند ہوتے ہیں، دوسرے انھوں نے ایک عظیم ہستی کا واسطہ بھی دیا ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کوئی پروا کیے بغیر ضرور تعاون کرے۔ اس قسم کے لوگوں سے تعاون کو میں نے فرض کہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعاً ایسے لوگوں سے تعاون نہ کرنے کی سخت وعید منقول ہے:

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَلْعُونٌ مَنْ سَأَلَ بِوَجْهِ اللّٰهِ، وَمَلْعُونٌ مَنْ سُئِلَ بِوَجْهِ اللّٰهِ ثُمَّ مَنَعَ سَائِلَهُ، مَالَمْ يَسْئَلْ هُجْرًا» (طبراني في الدعاء: 2112، صحيح الترغيب، حديث: 851، الصحيحة للألباني، حديث: 2290) ''وہ شخص لعنتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر سوال کرے، اور وہ شخص بھی ملعون ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر سوال کیا گیا ہو، لیکن اس نے سائل کو کچھ نہ دیا، جب تک کہ وہ کسی قبیح اور بری چیز کا سوال نہ کرے (تو اس وقت اسے نہیں دینا چاہیے)۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوهُ» ''جو اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرے تو اسے ضرور دو۔''

(سنن أبي داود: 1672، سنن النسائي، حديث: 2568، ابن حبان، حديث: 3400، ومستدرك للحاكم: 412/1، صحيح الترغيب، حديث: 852).

ابو رافع رضی اللہ عنہ سے بھی ابو موسیٰ اشعری کی مذکورہ روایت کے ہم معنی حدیث مروی ہے۔ (صحيح الترغيب، حديث: 853)



ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکورہ صفت کے شخص کو بدترین شخص قرار دیا گیا ہے، فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ؟ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ وَلَا يُعْطِي» (سنن الترمذي، حديث: 1652، وسنن النسائي، حديث: 2570، صحيح الترغيب، حديث: 854)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق ایسے شخص کو شَرُّ البَرِيَّةِ ''بدترین خلائق'' کہا گیا ہے۔ (مسند أحمد: 396/2، وصحيح الترغيب، حديث: 855)

③ کچھ لوگ غیر مستحق ہوتے ہیں لیکن ان کا سوال جائز ہوتا ہے اور وہ صرف اللہ کا واسطہ دے کر یا اسی کے نام کا سوال کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ ضرور تعاون کرنا چاہیے کیونکہ انھوں نے ایک مقدس اور عظیم ذات کے نام پر سوال کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے شخص کو محروم نہ کیا جائے، اگرچہ غیر مستحق ہونے اور حقیر ضرورت کے لیے اتنی بڑی ذات کا واسطہ دینے کی بنا پر وہ ملعون تو ضرور ہوگا لیکن مسئول پر اس کا تعاون کرنا ضروری ہوگا، وگرنہ خود ملعون ٹھہرے گا۔ مذکورہ دلائل پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔

④ چوتھا سائل وہ ہے جو مانگتے وقت غیر اخلاقی حرکت کرتا ہو اور بیہودہ گوئی کا مرتکب ہو کر غلط قسم کے سوال کرتا ہو تو ایسے شخص کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: «مَالَمْ يَسْأَلْ هُجْرًا» جب تک کہ وہ برے انداز سے نہ مانگے یا غلط مطالبہ نہ کرے (دونوں معنی ہیں)۔

⑤ ایک وہ سائل بھی ہوتا ہے جو سراسر غلط یا حرام مقاصد کی تکمیل کے لیے مانگتا پھرتا ہے، اس کی بھی احسن طریقے سے حوصلہ شکنی ہونی چاہیے، مثلاً: نشئ انسان کہ اس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ وہ ان پیسوں سے افیون یا دیگر منشیات خریدے گا یا اللہ تعالیٰ کی معصیت کا مرتکب ہوگا تو ایسے شخص کو نہ دینا چاہیے، یہ صورت مذکورہ وعید سے مستثنیٰ ہوگی، کیونکہ یہ بھی «مَالَمْ يَسْأَلْ هُجْرًا» کے عموم کے تحت آتی ہے۔ امام منذری رحمہ اللہ نے «هُجْرًا» کے ایک معنی نازیبا امرِ قبیح کے کیے ہیں۔

ذہن میں رہے کہ سائل جونسا بھی ہو اور اس کی غرض کوئی بھی ہو، ہمیں تو پتا نہیں، لیکن اسے جھڑکنا ممنوع اور حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (الضحى 93:10)

سائل کی تحقیق وتفتیش کرنا

جہاں تک سائل کی تحقیق کا مسئلہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی روشنی میں سائل کی تحقیق ضرور کرنی چاہیے۔ عموماً تحقیق ہی سے کھرا کھوٹا واضح ہو جاتا ہے اور بہت سے غیر مستحق سوالی بھاگ جاتے ہیں۔ اس کی دلیل عبیداللہ بن عدی بن خیار کی حدیث ہے، انھیں یہ حدیث انھی دو سائلوں نے بیان کی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ دونوں آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدقے کا سوال کیا، آپ علیہ السلام نے ان دونوں کا بغور جائزہ لیا اور انھیں صحت مند و توانا پایا، پھر فرمایا: اگر تمھاری مرضی ہو تو تمھیں عطا کر دیتا ہوں لیکن اس صدقے میں کسی غنی اور کما کر کھانے والے قوی شخص کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 1633، وسنن النسائي: 2599)

اس کے اور شواہد بھی ملتے ہیں۔ ایک مسئلہ تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سائل کی تحقیق کرنی چاہیے تاکہ صدقہ وخیرات اپنے محل پر پہنچے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ صدقے میں غیر مستحق شخص، جو کما کر کھانے کی طاقت رکھتا ہو، اس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

نیز ایک اور بات بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جو بھی سائل آیا، آپ نے تحقیق تو کی ہے لیکن اس کا تعاون ضرور فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ اعلیٰ ظرفی اور مثالی سخاوت ہے، لگتا ہے کہ یہ آپ کا خاصا ہوگا، کیونکہ حدیث میں بصراحت آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں کسی شخص کو کبھی کوئی عطیہ دیتا ہوں اور وہ اسے بغل میں دبا کر چلا جاتا ہے لیکن (اس کے غیر مستحق ہونے کی وجہ سے) وہ آگ ہی ہوتی ہے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ اللہ کے رسول جو چیز اس کے لیے آگ کا باعث ہے، آپ اسے وہ کیوں دیتے ہیں، تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا: «أَبَى اللّٰهُ لِيَ الْبُخْلَ.....» ''اللہ تعالیٰ نے میری طرف سے بخل کا انکار کیا ہے، یعنی میں بخل نہیں کر سکتا۔'' (صحيح الترغيب: 489/1).

پھولوں کی دُنیا

ڈاکٹر طارق ریاض



اللہ تعالیٰ نے اپنی اس خوبصورت دنیا کو بے شمار خوبصورت، دلکش اور دلفریب اشیاء سے سجا رکھا ہے۔ ان تخلیقات میں خواتین، بچے اور پھول قدرت کے بے نظیر شاہکار ہیں۔ ان کے دم سے کائنات میں ہر طرف رنگ بکھرے ہیں۔ بلاشبہ انسان کی جمالیاتی حس کو بڑی حد تک یہ ہریالی اور پھولوں کی ڈالیاں تسکین مہیا کرتی ہیں۔ موسمِ بہار میں زیادہ تر پھول کھلتے ہیں۔ کیونکہ جاڑے کے بعد جب درجۂ حرارت 20 سے 30 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچتا ہے تو یہ وہ مناسب ترین درجۂ حرارت کی رینج ہے جسے اکثر پودوں کی نشوونما اور نسل آگے بڑھانے کے لیے آئیڈیل ٹمپریچر کہا جاسکتا ہے۔ پھول درحقیقت نسل آگے بڑھانے کا ذمہ دار ہے۔ پھول میں نر اور مادہ حصے پائے جاتے ہیں۔ نر حصے کو سٹیمن (STAMEN) اور مادہ حصے کو پسٹل (PISTIL) یا کارپل (CARPEL) کہا جاتا ہے۔ ان تولیدی حصوں کو نمایاں کرنے کے لیے رنگ برنگی پنکھڑیاں (PETALS) پیدا کی جاتی ہیں۔ ان پنکھڑیوں میں غدود پائے جاتے ہیں جو بھینی بھینی خوشبو پیدا کر کے فضا کو معطر کر دیتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ پھول میٹھا میٹھا جوس بھی پیدا کرتے ہیں۔ جسے نیکٹر (NECTAR) کہا جاتا ہے۔ نیکٹر پینے کے لیے پودوں کی طرف حشرات کھنچے چلے آتے ہیں۔ پھولوں کا رس چوستے ہیں اور نر و مادہ تولیدی حصوں کے ملاپ میں مددگار ثابت ہوکر باروری (Fertilization) کے عمل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مادہ حصے میں اووری (Ovary) ہوتی ہے جس میں اوویول (Ovule) ہوتا ہے۔ باروری کے بعد اووری پک جاتی ہے۔ پکی ہوئی اووری کو پھل (Fruit) کہتے ہیں جبکہ اووری میں اوویول کو بالغ ہونے پر بیج کہا جاتا ہے۔ پھول دار پودوں کی 2,36000 سے زائد اقسام دریافت ہوچکی ہیں۔ ان پھولوں کی خوش نمائی اور دلفریبی نے عام آدمی سے لے کر شاعروں، حکمرانوں اور ہر خاص و عام کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔

وطن عزیز میں بھی حالیہ چند برسوں میں پھولوں کی مانگ میں اضافہ ہوا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک لوگ باگ صرف گلاب، چمپا، چنبیلی، گینڈا وغیرہ سے واقف تھے۔ لیکن آج اس میدان میں بھی انقلاب بپا ہوچکا ہے۔ گلاب کے علاوہ گل شمشیر (GLADIOLUS)، گل شبو (Tuberose)، گل سوسن گل میمون، گل ستارہ، کارنیشن، نرگس، جربرا، ایمریلس ٹیولپ، گل داودی اور بے شمار انواع کے پھول کاشت کیے جارہے ہیں اور ہمارے ہاں مارکیٹوں میں دستیاب ہیں۔ روز بروز ان پھولوں کی مانگ میں

اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس کی وجہ لوگوں میں پھولوں کے حوالے سے شعور میں اضافہ اور تعلیم میں بہتری ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے بتانا ضروری ہے کہ پھولوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایسے پھول جو ڈنڈی (Pedicel) کے بغیر ہوتے ہیں انھیں لووز فلاورز (Loose Flowers) کہا جاتا ہے، مثلاً: چمپا، چنبیلی، گیندا وغیرہ۔ یہ پھول گلدستہ بنانے میں استعمال نہیں ہوتے۔ جبکہ ایسے پھول جو ڈنڈی یا پیڈسل (Pedicel) پر ٹکے ہوں انھیں کٹ فلاورز (Cut Flowers) کہا جاتا ہے۔ یہ پھول طرح طرح کے خوشنما گلدستے بنانے کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان پھولوں کی عمر یا شیلف لائف (Shelf Life) دوسرے پھولوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے گلدستے کئی روز تک تروتازہ رہتے ہیں۔

دنیا بھر میں پھول محبت، بھائی چارے اور حسن کی علامت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان اور قوم کے ادب میں پھول کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پھول اپنے اندر ایک پیغام لیے ہوتے ہیں، مثلاً: سرخ رنگ کا پھول جوش، جذبے، محبت کی علامت ہے، اسی طرح گلابی رنگ کے پھول خصوصی لگاؤ کے مظہر ہیں۔ سفید رنگت والے پھول امن، سکون اور بھائی چارے کا پیغام دیتے ہیں۔ پیلے پھول ایک اکیلا ہو تو نفرت کا اظہار ہے لیکن ایک سے زائد تعداد میں پیلے پھولوں کا گلدستہ دوستی کا اعلان ہے۔ نارنجی رنگت والے پھول مذہبی لگاؤ کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پھولوں کی اس زبان کو ہر قوم خاص موقع پر استعمال کرتی ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا ہو جب دو حکمران ملاقات کرتے ہیں۔ کوئی بیرونی وفد ملاقات کے لیے آتا ہے۔ دو گروہ کے درمیان امن کی بات ہو، شادی بیاہ خوشی کا موقع ہو۔ غم والم موت و زندگی کا معاملہ ہو، پھولوں کے گلدستے اور ان پھولوں کی پنکھڑیاں مخصوص جذبات کا اظہار کررہی ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر دو حکمران مل رہے ہوں اور ڈپلومیٹک پیغام دنیا کو اسی بات سے مل جاتا ہے کہ پس منظر میں یا سامنے دو شخصیات کے، کس رنگ کے پھول والا گلدستہ موجود ہے۔ بیورو کریسی مہمان شخصیت کو پھولوں کے رنگ سے پیغام پہنچاتی ہے کہ موجودہ قیادت آنے والے وفد کے لیے کس طرح کے خیالات رکھتی ہے۔ ڈپلومیٹک اندازِ اظہار کو ڈپلومیٹک لوگ بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً سفید رنگ کے پھولوں پر مشتمل گلدستے واضح پیغام ہے کہ ہم آپ کے ساتھ دوستی، امن اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں یا رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سفید پھولوں کے گلدستہ کے درمیان پیلے رنگ کا ایک یا دو پھول اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ ہم مذاکرات کر تو رہے ہیں لیکن ہمارے تحفظات ہیں، اسی طرح قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ شادی بیاہ، کسی مہمان کی آمد یا میت پر سرخ رنگ کے پھول نچھاور کرنا ہمارے کلچر کا حصہ ہے۔ درحقیقت سرخ رنگ کے پھول اظہار محبت کی علامت ہے۔ جو ہم آنے والے یا جانے والے سے کرتے ہیں۔

جمالیاتی تسکین کے ساتھ ساتھ صحت کے حوالے سے بھی پھولوں کا کردار بے مثال ہے۔ مثلاً: گلاب کے پھولوں سے عرقِ گلاب، گلقند وغیرہ بنائے جاتے ہیں جن کے طبی فوائد اور استعمالات سے کون واقف نہیں۔ گیندے کے پھول کی پتیوں سے مرہم تیار کیا جاتا ہے جو زخموں کے مندمل ہونے میں مددگار ہے۔ گل شمشیر (Gladiolus) کے تنے (CORM) یا کورم سے نزلہ، بخار کے علاوہ مردانہ قوت اور قبض کے لیے ادویات بھی بنائی جاتی ہیں۔ جنوبی افریقہ کے ہیلتھ انسائیکلوپیڈیا میں اس پھول کے طبی فوائد پر طویل بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح دیگر پھولوں، مثلاً: سورج مکھی کے پھولوں سے بھی مرہم بنایا جاتا ہے۔ چنبیلی وغیرہ سے پرفیومز تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ایک طویل فہرست ہے جس پر کئی علیحدہ علیحدہ مضامین تحریر کیے جاسکتے ہیں۔

پھولوں کا جمالیاتی و ادویاتی استعمال اپنی جگہ، ان کی تجارتی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ ہالینڈ یورپ کا ملک ہے جہاں سارا سال موسم انتہائی سرد رہتا ہے۔ یہاں برفباری اتنی ہے کہ پھولوں کی کاشت اس طرح سے ممکن نہیں جس طرح ہمارے ملک میں ان کی کاشت ہوسکتی ہے۔ لیکن ہالینڈ کے تجارتی حجم کو دیکھا جائے تو 60 ارب ڈالر سے زائد کی آمدن کا ذریعہ پھول ہیں۔ نائیجیریا، کینیا اور غریب افریقی ممالک



میں ان پھولوں کو کاشت کیا جاتا ہے اور جہازوں کے ذریعے انھیں ہالینڈ لایا جاتا ہے۔ جہاں سے انھیں اچھی پیکنگ کے ساتھ دنیا بھر میں فروخت کردیا جاتا ہے۔ اربوں ڈالر کما کر ملکی معیشت کو مضبوط بنانے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ہم زرعی ملک کہلواتے ہیں لیکن عالمی منڈی تو کُجا مقامی ضرورت کو پورا کرنے کے بھی قابل نہیں۔ اٹلی، جرمنی، جاپان، چین، بھارت، اسرائیل، زمبابوے، کینیا جیسے ممالک عالمی منڈی میں قدم جما چکے ہیں۔ لاکھوں ڈالر کما کر ملکی ترقی میں حصہ لیا جارہا ہے۔ فرانس بھی اس دوڑ میں آگے ہے۔ دنیا بھر سے عمدہ پھول خرید کر پرفیومز بنائے جاتے ہیں۔ اس کی آمدن بھی کروڑوں ڈالروں میں ہے۔ گویا پھول ملکی معاشی اور افراد کی مالی حالات کو بھی سنوارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

وطن عزیز میں ہر طرح کا موسم اور ہر طرح کی مٹی و زمین دستیاب ہے۔ لیکن ایسی قیادت کا فقدان ہے جو آمدن کے اس زبردست وسیلہ سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتی ہو۔ پاکستان جغرافیائی لحاظ سے ایسی جگہ واقع ہے کہ وسطی ریاستوں، عرب ممالک اور مشرق بعید میں باآسانی اپنے پھول فروخت کے لیے بھیج سکتا ہے۔ اس کے لیے قومی اداروں میں رابطوں، تحقیق، کسانوں کی تربیت، Cool Chain سسٹم، منڈیوں کی تلاش، تجارتی پالیسیوں کی ضرورت ہے، پھر وہ دن دور نہیں جب پاکستان بھی پھولوں کی دنیا سے دُنیا کو فتح کرسکتا ہے۔

بقیہ: فرعونیت

(د) چاشت کے وقت جمع کرنے کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ سارا دن اسی میں نہ رہیں بلکہ بقیہ دن میں اپنے دیگر کام کاج بھی کرلیں اور دوسرا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقابلہ اگر پچھلے پہر ہو تو ایسا نہ ہو کہ درمیان ہی میں رہ جائے اور کوئی فیصلہ نہ ہو پائے۔

قارئین کرام! موسیٰ علیہ السلام کے یہ چار نکات میڈیا کے محاذ پر فرعونوں کے مقابلے میں اپنا لائحہ عمل بنانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی حکمت عملی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ میڈیا اگرچہ فرعون کے کنٹرول میں تھا اور اس کا انتظام وانصرام بھی اسی کے ہاتھ میں تھا مگر اس سے فائدہ موسیٰ علیہ السلام نے اٹھایا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے عہد کے میڈیا کا بھرپور استعمال کریں۔ اس انتظار میں نہ رہیں کہ ہم ایک چینل کھولیں گے پھر یہ اور یہ کریں گے۔ اس کے صحیح استعمال ہی سے وقت کے فرعونوں کو مات دی جاسکتی ہے۔ میڈیا صرف اپنی جائز اور ناجائز خواہشات کی آگ بجھانے کے کام ہی نہیں آتا اس سے دعوت دین کا کام لے کر وقت کے فرعونوں کو زچ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور ان کے پنجہ استبداد سے مظلوموں کو چھڑایا جاسکتا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فرعونوں کی طرف سے جو چیلنج بھی دیا جائے اسے قبول کرنا چاہیے۔ ان کے سامنے جھکنا ان کی غلط پالیسیوں کو جواز فراہم کرنے کے مترادف ہے۔

❹ پنجہ استبداد سے رہائی کی جستجو

یہ انتظار نہ کیا جائے کہ فرعون جب ہم تک پہنچیں گے تو سامنا کرلیں گے بلکہ ہر ایک کو ان کے ظلم سے نجات دلائی جائے تاکہ ان کے ظلم وستم کا منصوبہ شروع ہوتے ہی مزاحمت کے آگے رک جائے۔ فرعون سے نجات اور بنی اسرائیل کی آزادی کی تحریک کے قائد سیدنا موسیٰ علیہ السلام تھے۔ انھوں نے فرعون کے مظالم سے بچانے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون کے سامنے رب تعالیٰ کا یہ پیغام رکھا: ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ﴾ ''بے شک ہم تیرے رب کے رسول ہیں، چنانچہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور انھیں سزاؤں سے دوچار نہ کر۔'' (طٰہٰ 47:20) اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ فرعونوں کو ان کے ظلم اور ظالمانہ اور غاصبانہ پالیسیوں سے آگاہ کیا جائے اور انھیں ان کی چارج شیٹ سُنائی جائے۔

تم نے لوٹے بے نوا صحرا نشینوں کے خیام
تم نے لوٹی کِشت دہقاں، تم نے لوٹے تخت وتاج

فرعونوں کی پالیسیوں کو مانتے چلے جانے اور ان کے ہر حکم کے سامنے سرنڈر کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ امنِ عالم تباہ ہوجائے جیسا کہ موجودہ صورتحال اس کی عکاسی کرتی ہے۔

❺ ٹیکنالوجی میں برتری

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جادو کا دور دورہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جادو کے مقابلے میں



سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جادو نگل جانے والے معجزے سے نوازا۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ جس دور میں جس چیز کا دور دورہ ہو فرعون اس میں برتری حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا فرعونوں کا مقابلہ کرنے والوں کو اسی میدان میں برتری حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ جس فیلڈ اور اہلیت کے لوگ ہوں اُن سے انھی کی زبان میں بات کرنی چاہیے۔ وہ بات ان پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ کی خصوصی عنایت ہی سے ممکن ہے۔ مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ جب تک وسائل فرعونوں سے بڑھ نہ جائیں اس وقت تک ان کے ظلم کی چکی میں پستے رہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ ظاہری صورت حال میں تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس محض لاٹھی تھی اور کچھ نہ تھا۔ ان کے مقابلے میں مصر کے ماہر جادوگر تھے۔ اسی لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام گھبرا بھی رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اس گھبراہٹ کا ذکر قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے کیا ہے، فرمایا: ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰىo قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ ''تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ میں خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا: آپ نہ ڈریں بے شک آپ ہی سربلند ہیں۔'' (طٰہٰ 68,67:20) موسیٰ علیہ السلام کی گھبراہٹ بتا رہی ہے کہ بظاہر ان کے پاس وسائل کی برتری نہیں تھی لیکن وہ مقابلے میں آئے۔ میدان سجا اور اللہ نے تسلی دے کر تائید و نصرت سے نوازا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وسائل کی برتری کی کوشش تو ضرور ہونی چاہیے باقی کام اللہ پر چھوڑ دیا جائے اور مقابلے میں پوری استقامت سے خم ٹھونک کر آیا جائے۔

لیکن کیا فرعون اپنی شکست سے اور جادوگروں کے ایمان لانے سے متاثر ہوا اور ایمان لے آیا؟ نہیں، وہ ایمان نہ لایا بلکہ اہل ایمان سے اس کی عداوت اور بڑھ گئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی محنت و کاوش مثلاً کوئی کتاب لکھ دینا، سیمینار یا کانفرنس کا انعقاد کرنا فرعونوں کی ہدایت کا سبب نہ بھی بنے تو کم از کم اہل ایمان کے ایمان میں اضافے کا باعث تو بن سکتا ہے۔ فرعون نہ سہی کسی اور کو تو ہدایت مل سکتی ہے۔ اور ان پڑھ لوگوں کے بجائے پڑھے لکھے طبقے پر محنت زیادہ اثر دکھاتی ہے۔

6 فرعونوں کے زیر اثر علاقوں میں اہل ایمان کی رہائش اور نماز کا اہتمام

فرعون کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ایک منفرد حکم فرمایا: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھروں کو ٹھکانا مقرر کرلیں اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنائیں، نماز قائم کریں اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دیں۔'' (یونس 87:10) قرآن مجید کا اسلوب بتاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے فرعون کی طرف سے خاصی دشواریاں تھیں، لہٰذا انھیں حکم دیا گیا کہ اپنے لوگوں کو مصر میں آباد کریں کیونکہ فرعون مصر ہی میں تھا۔ اور گھروں کو قبلہ رخ بنائیں تاکہ اگر سرِعام وہ اپنے ایمان کے عملی تقاضے پورے نہ کرسکیں تو کم از کم اپنے گھروں میں تو انھیں مکمل آزادی ہو۔ اور اہل ایمان کا ہر ٹھکانا ایک مرکز کی شکل اختیار کرجائے جہاں علم و عمل کی شمعیں روشن ہوں، اسی لیے تو فرمایا: اور نماز قائم کرو، یعنی فرعون کے زیر اثر علاقوں میں رہائش کے لیے اپنے ایمان اور عمل پر مضبوطی سے قائم رہنا ازحد ضروری ہے۔ ایسے مسلمان وہاں کا رخ نہ کریں جو اپنے ایمان کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کر بیٹھیں۔ ایسے اہل ایمان جو ان سے متاثر نہ ہوں بلکہ انھیں متاثر کریں۔ جو گھر قبلہ رخ بنایا گیا ہو یقیناً اس کے باسیوں کی قبلے سے محبت تو ہوگی وہ اس کی لاج بھی رکھیں گے، وہ علم وحی کو اہمیت بھی دیں گے۔ ان کا رخ کم ازکم قبلے سے مختلف اور متضاد سمتوں کی طرف تو نہیں ہوگا۔ وہ نمازوں کا اہتمام تو کریں گے۔

نماز کی زبردست اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے نماز کی نگرانی نہ کرنے والے کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہونے کی خبر دی ہے۔ (مسند أحمد: 169/2) قرآن مجید میں فرعون کے مقابلے میں آنے والوں کے لیے نماز کا حکم فرمایا گیا ہے اور حدیث میں نماز نہ پڑھنے والوں کا حشر فرعون اور اس کے دو وزیروں کے ساتھ بتایا گیا ہے، گویا نماز فرعونوں کے مقابلے میں ایک ناقابلِ تسخیر ہتھیار ہے۔

آپ کہیں گے فرعونوں کے علاقے میں تو آج مکمل آزادی ہے آپ اپنے دین پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں۔ مگر یہ آزادی تو وہ ہے جس کے



متعلق اقبال نے کہا تھا۔

ملّا کو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اسلام محض ذاتی عبادات کا نام نہیں۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں معاشی اور سیاسی نظام بھی ہیں اور ان نظاموں میں حائل ہونے والے باطل نظاموں سے جہاد کی صورت میں ٹکراؤ بھی۔ نماز، روزے، حج، زکاۃ اور حقوقِ انسانی کے علاوہ دیگر احکام پر ان کے زیر اثر علاقے میں یا دنیا کے کسی بھی خطے میں کوئی عمل تو کرے ایسا شخص تو فرعونوں کا ازلی دشمن بن جاتا ہے، پھر ایسے علاقوں میں ان کا جینا دشوار ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے فرعونوں کی جنگ ان لوگوں سے نہیں جو انھی کے نظام کا حصہ بن جائیں، ان کی جنگ تو ان سے ہوگی جو ان کے مدّ مقابل ڈٹ جائیں گے۔ ایسے جاں سپاروں کے لیے تو پناہ گزینوں کے کیمپ ہیں یا غزہ کی پٹی اور حیوانوں سے بھی بدتر سلوک۔ مذکورہ آیت کے آخری الفاظ: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے مومنوں کو بشارت دی گئی ہے، وہ مومن جو فرعونوں سے ٹکرانے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

❼ جاہلوں سے کنارہ کشی اور فروغِ علم

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے یہ بھی فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''تم دونوں ان لوگوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔'' (یونس 89:10)

یہاں علم سے مراد اس دور کے مروّجہ علوم بھی ہو سکتے ہیں اور علم وحی بھی مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ محض مروجہ علوم ہی مراد لیے گئے ہوں کیونکہ سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کو روکا جا رہا ہے کہ جن کے پاس علم نہیں ان کے راستے پر نہ چلیں اور ان دونوں پیغمبروں کے پاس جو علم تھا وہ علم وحی تھا۔ گویا ان سے مخاطب ہو کر ہمیں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ فرعونوں کے مقابلے میں محاذ گرم کرنا چاہتے ہو تو تمھیں علم وحی اور مروجہ علوم سے راہ نمائی اور روشنی لینی ہوگی اور جو ان علوم سے محروم ہیں ان کے پیچھے ہرگز نہ چلنا۔

فرعونوں کے مقابلے میں علوم آلیہ اور علوم عالیہ دونوں کو فروغ دینے اور شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ شعور کی یہ بیداری اپنے مفاد کے گرد نہ گھومے کہ حسن نصر اللہ کو شام میں اہل سنت کے خلاف جنگ کے لیے امریکہ کی ضرورت پڑے تو اس سے جوہری معاہدے ہونے لگ جائیں ورنہ نام نہاد مخالفت۔

❽ فرعونوں کی معیشت کمزور کی جائے

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے خلاف یہ بددعا کی: ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اے ہمارے رب! مٹا دے ان کے مال۔'' (یونس 88:10) ہر عہد کے فرعون اپنے وسائل پر ناز کرتے ہوئے ظلم و ستم کا بازار گرم کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان وسائل کی اصل جڑ، یعنی مال کی تباہی کی بددعا کی۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف ان کے مال کی تباہی کی دعا کریں اور دوسری طرف ان کی معیشت کو مستحکم کرنے میں بھی پیش پیش ہوں۔

آج اگر امت مسلمہ فرعونوں کی معاشی سپورٹ کا باعث نہ بنے۔ ان کے ممالک کا سفر نہ کرے، ویزے لے کر انھیں سپورٹ بہم نہ پہنچائے، ٹیلنٹ وہاں کا رخ نہ کرے، ان کے بینکوں میں رقم جمع نہ کرائے، ان کی پروڈکٹ استعمال نہ کرے تو یقیناً وقت کے فرعونوں کی معیشت تباہ ہو سکتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں انھیں اپنی معیشت کی فکر پڑ جائے گی، یوں امن عالم تباہ ہونے سے بچ جائے گا۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد مسلمانوں نے سرآغاز قریش کی معیشت ہی کمزور کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

❾ استقامت

استقامت ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے بڑے سے بڑے فرعونوں کو مات دی جا سکتی ہے۔ استقامت کا کچھ حصہ تو آپ پختہ ایمان کے تحت پڑھ آئے ہیں لیکن اس کے کئی پہلو ابھی باقی ہیں۔ بنی اسراءیل ایک عرصے تک فرعون کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے رہے۔ بنی اسراءیل کے بیٹوں کو قتل بھی کیا گیا، ان کی عورتوں کو زندہ بھی رکھا گیا، انھیں غلام بھی بنایا گیا، انھیں جینے کے حق سے بھی محروم کیا گیا، انھیں بدترین سزائیں بھی دی گئیں، میڈیا پر انھیں بدنام بھی کیا گیا، ان کے خلاف چالیں بھی چلی گئیں، مناظرے، مباحثے اور مجادلے بھی ہوئے، مصر سے بے دخل بھی ہونا پڑا۔ یہ ایک طویل عرصہ ہے، بنی اسراءیل جیسے بھی تھے سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی قیادت میں انھوں نے آزادی کا سفر استقامت سے جاری رکھا اور حالات کے تھپیڑوں کا مقابلہ کیا اتنی قربانیوں کے بعد اللہ نے فرعون سے نجات کی منزل دکھائی۔ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر



فرعون کی غرقابی تک کا دورانیہ، اسرائیلی روایت کے مطابق، تقریباً 66 سال پر مشتمل ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِo مِنْ فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسراءیل کو رسوا کن عذاب سے نجات دی، یعنی فرعون سے۔ بلاشبہ وہ بڑا سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔'' (الدخان 31,30:44) راہِ حق میں یہ تمام قربانیاں عرفِ عام میں استقامت ہی کہلاتی ہیں۔

اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ ''اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسراءیل پر، ان کے ڈٹ جانے کی وجہ سے، پورا ہوا۔'' (الأعراف 137:7) موجودہ فرعونوں کا مقابلہ کرنے والوں کو بھی جذبۂ استقامت سے سرشار ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو آغاز ہی میں فرعون کو تہس نہس کر دیتا مگر جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے، یوں فرعونوں سے نبرد آزما ہونے اور مسلسل قربانیوں کے بعد آزادی کی نعمت کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ عہد حاضر کے فرعونوں کے مقابلے کی جو تحریک جاری ہے اور جو قربانیاں دی جا رہی ہیں یہ تسلسل سے جاری رہیں گی تو یقیناً اللہ ایسے جانبازوں کو بھی سرخرو کرے گا کیونکہ موجودہ فرعون قدیم فرعونوں سے کمزور تر ہیں اور ان فرعونوں کا مقابلہ کرنے والے، بنی اسرائیل سے اعلیٰ درجے کے اہل ایمان۔ اور ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور (بھلا) انجام متقین ہی کا ہے۔'' کے اصول کا اظہار بھی ہونا ہے۔ ان شاء اللہ

⑩ امید و یقین

اس عرصے میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی رحمت سے امید کا دامن تھامے رکھا، حالانکہ آپ کی قوم بہت پریشان تھی۔ آپ کی قوم نے تو واضح طور پر کہہ دیا: ﴿اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ ''(موسیٰu!) آپ کے آنے سے پہلے بھی اور آپ کے آجانے کے بعد بھی ہمیں اذیتوں سے دوچار کیا گیا۔'' (الأعراف 129:7) موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ ''قریب ہے تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمھیں زمین میں جانشین بنا دے۔'' (الأعراف 129:7) ایسے دور میں جب امکانات ہی نظر نہ آتے ہوں، ڈھارس بندھانا یہ اللہ سے امید رکھنے کی بہترین مثال ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری تو فرعون کی غرقابی تک فرعون سے سراسیمہ تھے مگر ایسے کٹھن حالات میں بھی وہ اپنی قوم کو اللہ سے امید کا سبق دے رہے تھے کہ اللہ دشمن کو ناکام کرنے پر قادر ہے۔

ناامیدی ارادوں کو پست کر دیتی ہے۔ ایسی گری ہوئی حالت میں سوچنے اور کچھ کر گزرنے کی صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں۔ اب بھی فرعونوں کا مقابلہ کرنے والوں کو پوری طرح پرامید ہو کر اپنا سفرِ عزیمت جاری رکھنا چاہیے۔

⑪ دعاؤں کا بکثرت اہتمام والتزام

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ ہدایت بھی کی: ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا﴾ ''اللہ سے مدد حاصل کرو اور صبر و ثبات سے کام لو۔'' (الأعراف 128:7) کوئی بھی ادنیٰ یا اعلیٰ کام ہو یا وقت کے فرعونوں سے محاذ آرائی، ہر کام کے لیے صرف قادرِ مطلق اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہیے۔ ایسے سرکشوں کا وہی حساب اور انتقام لینے والا ہے، لہٰذا اپنی کوششیں بروئے کار لاتے ہوئے اللہ سے مدد مانگنی چاہیے۔ فرعونوں سے وہی نجات دلانے والا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرعون سے نجات اور اس کی غرقابی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور جب ہم نے تمھیں آل فرعون سے نجات دی۔'' (البقرة 49:2) اور فرمایا: ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ ''اور جب ہم نے تمھارے لیے سمندر پھاڑ ڈالا۔'' (البقرة 50:2) اور فرمایا: ﴿وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور ہم نے آل فرعون کو غرق کیا۔'' (البقرة 50:2) اور انھیں غرق کر کے پھر بنی اسراءیل کو وہاں کا وارث بنا دیا۔ جب سارے کام سراسر وہی کرتا ہے تو مدد بھی صرف اسی سے طلب کرنی چاہیے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب فرعونوں سے نجات مل جاتی ہے تو بعد کے حالات کیا بنتے ہیں جبکہ معیارِ مطلوب کے مطابق حالات ہونے کیسے چاہئیں اسی کو قرآن مجید میں ﴿فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''پھر اللہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟'' (الأعراف 129:7) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(اس کا جواب ان شاء اللہ اگلے شمارے میں ملے گا)

نوبت بایں جا رسید

(نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے)

حافظ عبدالوحید سوہدروی



امریکہ میں 9/11 (ستمبر 2001ء) کے بعد مسلمانوں سے ہونے والے سلوک کی بابت آپ پڑھتے سنتے ہی رہتے ہیں۔ آج اس کی مزید جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں جس سے قارئین کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔'' اللہ کی شان دیکھیے کہ وہ امریکہ کے کئی محکموں کو مصروف رکھنے کے لیے کچھ عرصہ بعد کس طرح حالات بدل دیتا ہے۔ مثلاً: جنگ عظیم اول کے بعد ان محکموں کا رخ امریکہ میں بسنے والے جاپانی باشندوں کی طرف رہا۔ جنھیں امریکہ کے شہری بن جانے کے باوجود بہت تنگ کیا گیا۔ پھر جنگِ عظیم دوم کے بعد جرمنی اور کمیونسٹ ممالک سے تعلق رکھنے والے امریکہ کے شہریوں کو تنگ کیا جاتا رہا۔ جبکہ 11 ستمبر 2001ء کے بعد یہ رخ امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں کی طرف مڑ گیا۔ سچ فرمایا ہے اللہ پاک نے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ فِیْ کَبَدٍ﴾ ''انسان کو ہم نے مشقت میں مصروف رہنے والا بنایا ہے۔'' (البلد 90:4) انسان اپنے لیے کوئی نہ کوئی مصروفیت ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ چاہے وہ کارآمد نہ بھی ہو۔ یہ بات جہاں انفرادی طور پر درست ہے وہاں حکومتی سطح پر بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ امریکہ میں بعض محکموں کو مسلمانوں کے خلاف تگ و دو پر لگا دیا گیا ہے۔ مگر کروڑوں ڈالر سالانہ خرچ کر کے بھی نتیجہ وہی نکلے گا جس کا اللہ پاک پہلے اعلان کر چکا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ﴾ ''بلاشبہ کافر لوگ اپنی دولت اللہ کی راہ روکنے پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کو خرچ کر لینے دو۔ آخر کار یہی خرچ ان کے لیے باعثِ حسرت بن جائے گا۔ اور پھر انھیں ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔'' (الانفال 36:9)

امریکہ کا گرین کارڈ حاصل کرنے کے لیے لوگ کتنے پاپڑ بیلتے ہیں۔ کئی لوگ مذہبی احکامات تک کی پروا نہیں کرتے۔ ایسی دین فروشی کا نظارہ تو ہم اپنے ملک میں بھی کرتے ہیں۔ کئی لوگ بینکوں کے ذریعے زکاۃ کٹوتی سے بچنے کے لیے سنی العقیدہ ہونے کے باوجود بینک میں اپنے آپ کو شیعہ لکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ شیعہ حضرات اس سے مستثنیٰ کر دیے گئے ہیں۔ (اسی قانونی موشگافی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ایمان بیچنے کا رونا علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رویا کرتے تھے)۔ یہی باتیں ہیں جن کے بارے اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ ''میرے احکامات کو معمولی سے دنیاوی مفاد پر مت قربان کرتے پھرو۔'' (البقرۃ 41:2)

امریکہ کی جب کسی کو سٹیزن شپ (شہریت) مل جاتی ہے تو وہ پھولا نہیں سماتا۔ جیسے اسے جنت کا ٹکٹ مل گیا ہے۔ ہر طرف سے مبارکباد کی بوچھاڑ شروع ہوجاتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف امریکہ کی موجودہ پالیسی یہ بتا رہی ہے کہ اگر آپ امریکہ کے عیسائی شہری ہیں تو پاکستان میں دو افراد کو بھرے بازار میں قتل کر دینے کے باوجود آپ کو زبردستی چھڑا لیا جائے گا (اشارہ ریمنڈ ڈیوس کیس کی طرف)۔ اور اگر آپ مسلمان امریکن شہری ہیں تو اپنے



ملک سے واپس امریکہ آنے کے لیے ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے ایئرلائن والوں کو آپ کے لیے امریکہ سے کلیئرنس (اجازت نامہ) حاصل کرنا ہوگا۔ جس میں ایک دو گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا ہے کہ اجازت ملے تو آپ کو جہاز پر سوار ہونے دیں۔ انتظار کے اس چکر میں آپ کی فلائیٹ بھی مِس ہوجائے تو کسی کو کوئی پروانہیں۔ اب آپ خود ایئرلائن والوں کو سو ڈیڑھ سو ڈالر جرمانہ دے کر نئی بکنگ کرائیے۔ انصاف کے چیمپیئن کی یہ ہے دوغلی پالیسی جو اب زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی پھیلتی جارہی ہے۔ جب آپ کو جہاز پر سوار ہونے کے لیے امریکہ سے کلیئرنس مل گیا تو یہ نہ سمجھیے کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ کیونکہ امریکن ایئرپورٹ پر جہاز سے اترتے ہی ہوم لینڈ سیکورٹی کے دو باوردی آفیسر آپ کے استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے۔ جن میں سے ایک آپ کے آگے اور دوسرا پیچھے چلتے ہوئے آپ کو امیگریشن تک لائیں گے۔ تاکہ ساتھ چلنے والے دوسرے مسافروں پر ظاہر ہوکہ آپ خصوصی نگرانی کے مستحق ہیں۔ پاسپورٹ پر مہر لگنے کے بعد آپ کو ایک کمرے میں لے جاکر پوچھ گچھ کی جائے گی۔ جبکہ آپ کے استقبال کے لیے ایئرپورٹ پر آنے والے دوست یا رشتہ دار باہر کھڑے آپ کے باخیریت باہر نکلنے کے لیے دعائیں کررہے ہوں گے۔ پوچھ گچھ کے دوران آپ سے جو سوالات کیے جاتے ہیں ان میں ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کبھی یمن یا افغانستان گئے ہیں؟ قارئین! اس سوال سے ان دو ممالک کی اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ ایٹم بم رکھنے والی سپرپاور ان بیچارے غریب ملکوں سے کیوں خوفزدہ ہے۔

امریکن ہوم لینڈ سیکورٹی کا یہ سلوک مردوں کے ساتھ تو قابل برداشت تھا مگر اب حجاب میں آنے والی مسلم خواتین کے ساتھ بھی یہ سلوک شروع ہوچکا ہے۔ جس کا علم ہمیں گزشتہ ماہ اپنے معصوم بیٹے کے ہمراہ پاکستان سے اپنی بہو کے آنے پر ہوا۔ جہاز سے اترنے کے بعد دو آفیسر آگے پیچھے چلتے ہوئے ماں بیٹے کو امیگریشن تک لائے اور پھر کمرے میں جو سوالات پوچھے گئے ان میں یمن اور افغانستان جانے کا سوال بھی شامل تھا۔ آپ بتائیے کہ ہماری خواتین بھلا کب ان ممالک میں جاتی ہیں۔ اِسے کہتے ہیں ''دودھ کا جلا لسّی سے ڈرے۔'' سبحان اللہ! ہماری برقع پوش خواتین اور چہرے پر داڑھی سجائے ہوئے نوجوانوں کا یہ خوف کفار کے دلوں میں ماسوائے اللہ کے اور کون ڈال سکتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ موجودہ اسلامی دنیا کے کسی بھی مسلم حکمران سے امریکہ کو اتنا خوف نہیں جتنا کہ ایک نقاب پوش خاتون یا سنتِ رسول کے مطابق چہرے پر داڑھی سجائے ہوئے نوجوان سے ہے۔ مزید برآں ان کے ساتھ رکھے جانے والے اِس سلوک سے اُن کی غرض تضحیک و تذلیل کے علاوہ اپنے ہم وطنوں کو انتباہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ مسلمان بننے کا خواب نہ دیکھیں۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ اس میں بھی وہ ناکام رہیں گے۔

تضحیک و تذلیل سے مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ چند سال قبل مجھے سید سرفراز علی قاضی مرحوم نے بتایا تھا کہ ''جب ہم جیل میں اپنے بے قصور بیٹے شیراز قاضی کو ملنے جاتے ہیں تو بیٹے کو ملاقات والے کمرے میں لانے سے قبل لاؤڈ اسپیکر پر اس کے نام کا اعلان اس طرح کیا جاتا ہے کہ جیسے ایک بہت بڑا مجرم گزرنے والا ہے۔ چنانچہ دوسرے قیدی اور عملے کے افراد متوجہ ہوکر اسے دیکھنے لگ جاتے ہیں'' مگر اللہ کی توفیق سے یہی قیدی شیراز قاضی سنتِ یوسفی علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے آٹھ کافروں کو مسلمان کرکے جیل سے نکلا تھا۔ جبکہ اس کے والد اسی غم میں اللہ کو پیارے ہوچکے تھے۔ کفار کی طرف سے تمسخر کا یہ سلسلہ تو انبیاء کے ساتھ بھی جاری رہا۔ اور انبیائے کرام کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو انبیائے کرام کے ساتھ اس مماثلت پر انتہائی شکرگزار ہونا چاہیے کہ یہ اعزاز ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت اپنی اہلیت کے بل بوتے پر نہیں محض اللہ کے حکم ہی سے مل سکتی ہے۔)

امریکہ کی ہوم لینڈ سیکورٹی، FBI (ایف۔بی۔آئی) یا دوسرے تحقیقاتی اداروں کا مقصد اگر ملکی سرحدوں کی حفاظت ہوتا تو کسی کو اغراض نہیں تھا۔ مگر جب ہم سے خالصتاً مذہبی سوالات پوچھے جاتے ہیں تو ہمارا شک یقین میں بدل



جاتا ہے کہ امریکہ نے درحقیقت اسلام کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ 24 جنوری 2010ء کو میرے سعودی عرب سے واپس امریکہ پہنچنے پر ہوم لینڈ سیکورٹی کے افسروں نے ہوسٹن ایئرپورٹ پر مجھ سے جو سوالات پوچھے تھے ان میں چند ایک خالصتاً مذہبی قسم کے سوالات بھی تھے۔ مثلاً:

① شیعہ اور سنی آپس میں لڑتے کیوں رہتے ہیں جبکہ دونوں ہی مسلمان ہیں؟

② علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کون تھے؟

③ کیا عثمان رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ تھا؟

④ ذمّی کون ہیں؟

⑤ ان کو سپیشل ٹیکس کیوں ادا کرنا پڑتا ہے؟

⑥ افسر نے کہا کہ میرے پاس گھر میں قرآن اور بہت موٹی بخاری ہے۔ قرآن کی سورت نمبر 9 کی آیت نمبر 5 میں اِس کا کیا مطلب ہے: جہاں بھی تم انھیں پاؤ قتل کردو۔ گرفتار کرلو وغیرہ وغیرہ۔

⑦ مشرک کون ہیں؟

قارئین! مندرجہ بالا سوالات دیکھ کر آپ بتائیے کہ ان میں سے کس سوال کا تعلق امریکہ کی سیکورٹی سے ہے؟ ان سوالات سے روزِ روشن کی طرح یہ واضح ہو رہا ہے کہ ان کے دل کا چور صرف اسلام دشمنی اور اس کے پھیلتے جانے کا خوف ہے۔ جس کا اظہار مصلحت کے تحت وہ کھل کر نہیں کرتے۔ البتہ ان کی میٹنگوں اور نجی محفلوں میں گفتگو کا محور یہی ہوتا ہے۔ بیچاروں کو کیا خبر کہ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ اپنی اسکیم پر عملدرآمد کا پورا غلبہ رکھتا ہے۔ مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔'' (یوسف 21:12) یعنی جو وہ چاہتا ہے کر کے رہتا ہے۔ وہ تو زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرتا رہتا ہے۔ کیا خبر وہ آج کل کی مردہ جسم امتِ مسلمہ سے کسی کو زندہ کر کے کوئی عجوبہ دکھانا چاہتا ہو جسے روکنے کی طاقت کافروں میں اسی طرح نہیں ہے جس طرح فرعون پیدائش موسیٰ کو باوجود ہزاروں جانیں لینے کے نہ روک سکا تھا۔ بلکہ اسی کے گھر میں اسی کے خرچ پر موسیٰ علیہ السلام کو پروان چڑھایا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین پر استقامت عطا فرمائے، آمین

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور

کی طرف سے مختلف مسائل پر مشتمل سات اشتہارات کا مدلل، رنگین، خوبصورت (گولڈن) درج ذیل مکمل سیٹ زیر تقسیم ہے

+ کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی (10) شکلیں
+ نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت
+ نماز، روزہ کے محمدی دائمی اوقات
+ اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام
+ سورۃ فاتحہ خلف الامام
+ آمین بالجہر کا ثبوت
+ اثبات رفع الیدین

مختلف مسائل پر مشتمل مکمل سیٹ سات اشتہارات کا **مفت** منگوائیں

ملک بھی کی تمام مساجد کے منتظمین حضرات مذکورہ مکمل سیٹ بالکل مفت منگوائیں اور اپنے اپنے زیر انتظام مساجد میں فریم کروا کر آویزاں کریں۔ مسائل حقہ کی دعوت و تبلیغ کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

نوٹ: فریم کروا کر آویزاں کرنے کا تحریری وعدہ آنا ضروری ہے۔ ڈاک خرچ بھی ادارہ کی طرف سے برداشت کیا جائے گا۔

محمد یٰسین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ضلع راجن پور (پنجاب، پاکستان) فون: 0333-8556473

خواتین کی پیشہ وارانہ سرگرمیاں

شرعی حدود و قیود



قاری طارق جاوید عارفی

اللہ تعالیٰ نے ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے مرد کو ذمہ دار بنایا ہے۔ گھریلو گاڑی کا پہیہ چلانا اس کے ذمے واجب ہے۔ اس مقصد کے لیے مرد حضرات مختلف علوم وفنون سیکھتے ہیں اور پھر انھیں بطور پیشہ اختیار کرتے ہیں تاکہ گھریلو معیشت کا اچھا انتظام ہوسکے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دنیا میں ہزاروں صنعتیں اور سیکڑوں پیشے ہیں جن پر معیشت کا انحصار ہے۔ کیا یہ صنعتیں اور پیشے صرف مردوں کے لیے خاص ہیں یا عورت بھی ان میں سے کسی صنعت یا پیشے سے منسلک ہوکر اپنا روزگار حاصل کرسکتی ہے۔ اس حوالے سے بعض لوگ بڑی سختی سے کام لیتے ہیں اور عورت کو کسی پیشہ وارانہ کام کی اجازت نہیں دیتے۔ کچھ لوگ حد سے زیادہ نرمی کا رویہ رکھتے ہیں اور بغیر کسی قید و پابندی کے عورت کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ افراط وتفریط سے ہٹ کر اگر سنجیدگی سے اس امر کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے مزاج کے مطابق اس معاملے میں بھی اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔ اسلام نہ تو اس معاملے میں بے جا سختی کا قائل ہے نہ شتر مہار آزادی کا داعی ہے کہ عورت کسی پیشہ وارانہ کام کے لیے جیسے چاہے کرتی رہے۔ بلکہ ضرورت کے تحت اسلام عورت کو پیشہ وارانہ کام کی اجازت بھی دیتا ہے اور اس حوالے سے بھرپور رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔

دورِ حاضر کے معاملات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ کاروبارِ زندگی کے کئی گوشے ایسے ہیں جہاں عورت کی شرکت ضروری ہے۔ اگر عورت کو بطور پیشہ ان کاموں کی اجازت نہ دی جائے تو بہت سی پیچیدگیاں اور مشکلات جنم لیتی ہیں، مثلاً طبی خدمت کی ترقی اور تنوع نے بعض میدانوں میں، جیسے تعلیم، طب اور نرسنگ میں معاشرے کو عورت کے کام کی ضرورت باور کرائی ہے۔ اسی طرح عورتوں کے ساز وسامان اور لباس کے میدان میں ترقی اور تنوع کا تقاضا ہے کہ عورتیں اس پیشے سے وابستہ ہوں تاکہ مردوں کی مداخلت ختم کی جاسکے اور شرم وحیا کا بھرم قائم رہے۔

بعض اوقات ضروریاتِ زندگی میں اضافے کے مقابلے میں مرد کی آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔ یہ بات بھی عورت کو مجبور کرتی ہے کہ خاندان کی بہترین تعمیر کے لیے عورت بھی کام کرکے دست تعاون دراز کرے۔ شریعت اسلامیہ نے عورت کے ان ناگزیر حالات کی رعایت رکھی ہے اور ان کی تکمیل کے لیے چند اصول وضوابط وضع کیے ہیں جنھیں اپنا کر وہ پیشہ وارانہ کام کرسکتی ہے، وہ اصول کیا ہیں؟ زیرنظر مضمون میں ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلا اصول: عورت اس حوالے سے مناسب اسلامی تعلیم حاصل کرے تاکہ اسلامی تربیت کے عام اہداف کے ساتھ ساتھ دو بنیادی امور کی تکمیل بھی ہوسکے۔ ان میں سے ایک تو اپنے گھر اور بچوں کی مکمل نگہداشت اور شادی کے بعد اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے: «وَالْمَرْأَةُ



رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ» ''عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' (صحيح البخاري: 2554)

دوسرا یہ کہ اسے کسی مناسب شرعی کام کی مہارت ہونی چاہیے تاکہ بوقت ضرورت وہ اس مہارت سے کام لے سکے خواہ اس ضرورت کا تعلق فرد سے ہو یا خاندان اور معاشرے سے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تین آدمیوں کے لیے دوگنا اجر ہے، ان میں سے ایک وہ ہے جس کے پاس کوئی باندی ہو، پھر وہ اسے احسن انداز سے تعلیم دے اور احسن انداز سے ادب سکھائے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کے لیے دوگنا ثواب ہے۔'' (صحيح البخاري: 97)

جب باندی کو علم وادب سکھانے کی یہ فضیلت ہے تو اس سے اندازہ لگائیے کہ بیٹی کو تعلیم دلانے کی فضیلت کس قدر زیادہ ہوگی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں۔ اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو ان کے پاس اسے دینے کے لیے ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا۔ انھوں نے وہ کھجور ہی اسے دے دی۔ عورت نے وہ کھجور اپنی دو بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دی اور چلی گئی۔ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ آپ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ» ''جس کی ان بیٹیوں کی وجہ سے کسی بھی چیز کے ساتھ آزمائش کی گئی تو وہ اس کے لیے آتشِ جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔'' (صحيح البخاري: 1418)

اس واقعے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو اگر کوئی کام یا ہنر آتا ہوتا تو وہ کس قدر معزز ہوتی اور اپنی بیٹیوں سے کس قدر عظیم احسان کر سکتی تھی۔ لوگوں سے مانگنے اور صدقے کا مال کھانے کے بجائے جسے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کا میل کچیل قرار دیا ہے، وہ اپنی حلال کمائی سے خود بھی کھاتی اور اپنی بیٹیوں کو بھی کھلاتی۔

اس حوالے سے اگر خواتین کے تعلیمی نصاب کو بہتر بنا لیا جائے تو تسلی بخش فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ عورتوں کا نصابِ تعلیم تین پہلوؤں پر مشتمل ہونا چاہیے: ① کسی باعزت پیشے کی نظریاتی تعلیم ② پیشہ وارانہ کام کی عملی تربیت تاکہ عورت کو اچھی مہارت حاصل ہو جائے اور وہ بوقت ضرورت احسن انداز میں کمائی کر کے اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ③ عورت کے پیشہ وارانہ کام سے متعلق شرعی احکام کی تعلیم۔ بنیادی اور اساسی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان پہلوؤں پر بطور خاص توجہ دینی چاہیے۔

دوسرا اصول: عورت کو چاہیے کہ اپنا سارا وقت مفید کاموں میں صرف کرے تاکہ وہ اپنے معاشرے کے لیے مفید پیداواری عنصر ثابت ہو سکے۔ اسے اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں بھی کمزوری اور کم ہمتی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے، خواہ جوان ہو یا بوڑھی۔ نیز تمام حالات میں اسے چستی اور جواں مردی کا ثبوت دینا چاہیے خواہ کسی بھی حیثیت میں ہو، بیٹی ہو یا بیوی، مطلقہ ہو یا کنواری۔ گھریلو ضروریات کی تکمیل کے بعد جو وقت بچ جائے اسے کسی مفید کام میں صرف کرنا چاہیے، خواہ یہ کام پیشہ وارانہ ہو یا غیر پیشہ وارانہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''جو شخص نیک کام کرے مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو ہم اسے اس (دنیا میں) پاکیزہ زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے نیک اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔'' (النحل 97:16)

تیسرا اصول: مرد کو خاندان پر حاکمیت حاصل ہے، اس لیے اس کی بیٹی یا بیوی کو کام کرنے کے لیے اس سے اجازت لینی چاہیے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ ''مرد عورتوں پر حاکم و نگران ہیں۔'' (النساء 34:4) نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ» ''آدمی اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (صحيح البخاري: 2554)

آدمی کو اپنے خاندان پر جو سربراہی حاصل ہے اور اسے بیٹی یا بیوی کو پیشہ وارانہ کام کرنے کی اجازت دینے کا اختیار دیا گیا ہے تو یہ شریعت کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا مرد کو بھی کسی شرعی اور اخلاقی جواز کے بغیر اس مسئلے میں تشدد سے کام نہیں لینا چاہیے کہ وہ عورت کو ایسے کام



سے منع کرے جو اس کے لیے اور معاشرے کے لیے مفید ہو۔ اسی طرح اسے یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی ضرورت کے بغیر عورت کے لیے کام کرنا واجب قرار دے۔

چوتھا اصول: مسلمان عورت کے لیے واجب ہے کہ وہ جلد شادی کرے تاکہ وہ خود بھی عفت و پاکیزگی کی زندگی بسر کر سکے اور ایسے پاکیزہ معاشرے کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کر سکے جس کے تمام افراد خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں نفسیاتی صحت اور اعلیٰ اخلاق کے اعتبار سے صحت مند زندگی بسر کر سکیں۔ یہ بات حرام ہے کہ کسی شرعی ضرورت اور حاجت کے بغیر پیشہ وارانہ کام کی وجہ سے شادی نہ کی جائے یا اس میں تاخیر کر دی جائے۔ فرمانِ نبوی ہے: «وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لٰكِنِّي أَنَا أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» ''اللہ کی قسم! میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، (رات کو) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے، لہٰذا جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔'' (صحيح البخاري:5063) رسول کریم ﷺ نے ہمیں لڑکیوں کی جلد شادی کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ انھیں کمال درجے کی عفت و پاکیزگی اور نفسیاتی صحت حاصل ہو سکے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر چوٹ لگی جس سے خون بہنے لگا۔ نبی کریم ﷺ خود ان کے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: «لَوْ كَانَ أُسَامَةُ جَارِيَةً لَحَلَّيْتُهُ وَكَسَوْتُهُ حَتّٰى أُنَفِّقَهُ» ''اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے زیور پہناتا اور کپڑے پہناتا، پھر اس کی شادی کر دیتا۔'' (سنن ابن ماجه: 1976)

پانچواں اصول: عورت کا پیشہ وارانہ کام افزائشِ نسل میں رکاوٹ نہ بنے کیونکہ ایک مسلمان عورت خاندان کی استطاعت اور معاشرے کی ضرورت کے مطابق بچے جننے کی خواہش مند ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں کہ اس کا پیشہ وارانہ کام اس سلسلے میں رکاوٹ بنے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾ ''اور اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے تمھی میں سے بیویاں بنائیں اور تمھارے لیے تمھاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔'' (النحل 72:16)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔ نبی کریم ﷺ کو اس کا پتا چلا تو آپ نے ان سے پوچھا: ''کسی کنواری سے شادی کی ہے یا شوہر دیدہ سے؟'' انھوں نے عرض کی: شوہر دیدہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے کسی کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی؟ تم اس کے ساتھ دل لگی کرتے اور وہ تمھارے ساتھ دل لگی کرتی۔'' انھوں نے عرض کی: میری بہنیں چھوٹی تھیں، اس لیے میں نے چاہا کہ ایسی عورت سے شادی کروں جو ان کی ڈھارس بندھائے، ان کی کنگھی کرے اور ان کی نگہداشت کرے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمَا إِنَّكَ قَادِمٌ، فَإِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ» ''تم گھر پہنچنے والے ہو۔ جب پہنچ جاؤ تو احتیاط اور عقلمندی سے کام لینا۔'' (صحيح مسلم: 3641(715)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور دیگر اہل علم نے فرمایا کہ عقلمندی سے مراد طلبِ اولاد اور نسلِ انسانی کی افزائش ہے۔ اور یہی بات درست ہے۔ امام کسائی کا کہنا ہے کہ كَأْسُ الرَّجُلِ کے معنی عقل مند بچے کو جنم دینے کے ہیں۔ (فتح الباری: 256/11)

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ» ''خوب محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ تمھاری کثرت کی وجہ سے روزِ قیامت میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔'' (مسند أحمد: 245,158/3)

چھٹا اصول: عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر اور بچوں کی مکمل نگہداشت کرے، لہٰذا یہ جائز نہیں کہ عورت کے کام کرنے کی وجہ سے یہ ذمہ داری ادا نہ ہو۔ اس لیے کہ شادی شدہ عورت کی اولین اور بنیادی ذمہ داری یہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ ''اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھی میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کی طرف (جا کر) آرام پاؤ اور اس نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی رکھ دی۔'' (الروم 21:30)

فرمانِ نبوی ہے: «وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ



بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ» ''عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' (صحيح البخاري: 2554)

پیشہ وارانہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ عورت کے لیے اس کا گھر ہی وہ جگہ ہے جس میں وہ راحت اور نشاط سے فیض یاب ہوسکتی ہے۔ کیونکہ یہ راحت اور سکون اسے شوہر کی محبتوں اور شفقتوں ہی سے حاصل ہوگا اور اس سعادت اور کامرانی کی وجہ سے بچوں سے محبت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خاندان اور اپنے میدانِ عمل کو زیادہ پیداوار کی وجہ سے چار چاند لگادے گی۔

ساتواں اصول: عورت شرعی حجاب کی پابندی کرے اور ایسا پیشہ اختیار کرے جس میں مردوں کے ساتھ خلوت اور اختلاط نہ ہو، نیز وہ پیشہ صرف مردوں ہی کے لیے خاص نہ ہو۔

اسلام عورت کی تکریم، انسانی بھیڑیوں سے اس کی حفاظت، اس کے حقوق کی حفاظت اور اس کے درجہ و مقام کو بلند کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس لیے اس نے عورت پر اجنبیوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے پردہ واجب کیا ہے تاکہ وہ سستا سامان تجارت نہ بنے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ ''اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو، تمھارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے۔'' (الأحزاب 53:33) نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ» ''تم (اجنبی) عورتوں کے ہاں جانے سے بچو۔'' انصار میں سے ایک شخص نے کہا: دیور، جیٹھ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ» ''دیور، جیٹھ تو موت ہے۔'' (صحيح البخاري: 5232، وصحيح مسلم: 2172) اجنبی عورت کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار کرنے سے آپ نے مطلقاً منع فرمایا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے: «كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ» ''ان دونوں میں تیسرا شیطان ہے۔'' (جامع الترمذی:1171) چنانچہ ذریعۂ فساد کو ختم کرنے، باب گناہ کو بند کرنے، اسبابِ شر کو مٹانے اور شیطان کے مکروفریب سے مردوزن کو محفوظ رکھنے کی خاطر آپ ﷺ نے اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنے پر سختی سے منع فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: «فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ» ''تم دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو، بلاشبہ بنی اسرائیل میں اولین فتنہ عورتوں میں رونما ہوا تھا۔'' (صحيح مسلم: 2742) یہ آیات و احادیث مردوزن کے ایسے اختلاط سے اجتناب کرنے پر وجوبی طور پر دلالت کرتی ہیں جو فساد تک لے جانے والا ہو، نیز گھر اجاڑنے اور معاشرے کو بگاڑنے کا ذریعہ ہو۔

اہل مغرب اسلام کے متعلق یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کی آزادی سلب کررکھی ہے، اسے گھر میں قید کردیا ہے اور باہر قدم تک رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورت کے باہر نکلنے پر قطعاً پابندی نہیں لگائی ہے، تاہم معاشرے کی خوشحالی اور فساد و بگاڑ سے بچاؤ کے لیے کچھ قواعد و ضوابط رکھے ہیں، اگر خواتین ان اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے کسی پیشے کو اختیار کرتی ہیں تو ان پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

ہاں بناؤ سنگار کرکے اور مردوں کے بیچ بیٹھ کر شرم و حیا ختم کرکے کمائی کرنے پر ضرور پابندی لگائی ہے، ایسی پابندیاں نہ لگائی جائیں تو پھر سارا معاشرہ بگاڑ اور بے حیائی کا خوگر بن جائے گا جیسا کہ مغرب میں ہم دیکھتے ہیں۔ وہ اپنی تہذیب اور کلچر کو ہم میں رائج کرکے ہماری شرم وحیا کا جنازہ نکال کر اپنے جیسا بے غیرت بنانا چاہتے ہیں۔ رب کائنات نے بہت پہلے ہمیں ان کے خبث باطن سے آگاہ فرمادیا ہے: ﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ ''وہ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کفر کرو جیسے انھوں نے کفر کیا، پھر تم برابر ہو جاؤ، لہٰذا تم انھیں دوست نہ بناؤ۔'' (النساء 89:4)

اس لیے سادہ خواتین کو مغرب زدہ مکار تنظیموں کے ایسے کھوکھلے نعروں اور بے ہودہ پروپیگنڈے سے متأثر ہوجانے کے بجائے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنا چاہیے اور انھیں ہی حرز جاں بنانا چاہیے کیونکہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو دنیا میں بھی سلامتی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرماکر سرخرو فرمائے۔ آمین!



بچوں کا روشن مستقبل!

ابونخلہ فرات

مختلف تعلیمی مراحل میں طلبا و طالبات اور بچوں کے سالانہ امتحانات ہوچکے ہیں، یا ہورہے ہیں یا ہونے والے ہیں۔ ان دنوں اچھے سے اچھے اداروں اور فیلڈز کا انتخاب ہورہا ہے۔ گھر گھر اسی موضوع پر بات چیت ہورہی ہے۔ بچوں کے مستقبل کو روشن بنانے کے لیے تقریباً ہر فرد منصوبہ بندی کرتا ہے۔ ہماری اکثریت یہ کہتی نظر آتی ہے کہ ہم نے تو جیسے تیسے زندگی گزار لی بس بچوں کا مستقبل بن جائے۔ اپنی چاہتوں کو پس پشت ڈال کر بلکہ اپنی ضروریات کو بھی بھلا کر بچوں کے مستقبل کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ اور اسے عملی جامہ بھی پہنایا جاتا ہے۔ بچوں کی اعلیٰ تعلیم، بہترین مہارت اور عمدہ کاروبار کے متعلق سوچ ہمارے معمولات کا حصہ ہے۔ یہ ایک اچھی سوچ ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔

میں اس تحریر کے ذریعے بچوں کے روشن مستقبل کی اس فکر اور منصوبہ بندی کو مزید وسعت دینے کا آرزو مند ہوں۔ وہ یہ کہ مستقبل کا لفظ جب بھی ہمارے ذہن میں آتا ہے تو ہم اسے دنیا کی زندگی تک محدود کرلیتے ہیں۔ ہماری سوچ بچار کے زاویے اور ہماری منصوبہ بندی کے تمام مراحل اس عارضی اور محدود جہاں تک مقید ہوکر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سوچ اور فکر کو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی فکر سے بھی ہمکنار کرنا چاہیے۔ اقبال کی زبان میں اسے ہم یوں سمجھ سکتے ہیں۔

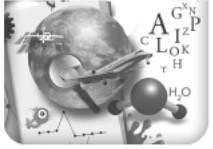
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی، آشیاں اور بھی ہیں

اور یہ بھی کہ۔

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اس کے مقابلے میں ہم میں سے کسی کی 70 سالہ زندگی کا دورانیہ محض 72 سیکنڈ بنتا ہے۔ یہ تو ہے قیامت کے دن کے مقابلے میں ہماری 70 سالہ زندگی کا حساب مگر آخرت کی زندگی کا اس دنیا کی زندگی سے کوئی تناسب ہی نہیں۔ آیئے صحیح مسلم کی ایک حدیث سے دنیا اور آخرت کی زندگی کا موازنہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں بس اتنی سی ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈبوئے پھر وہ دیکھے کہ انگلی کے ساتھ کتنا پانی لگا رہ گیا ہے۔'' (صحیح مسلم: 2858) یعنی انگلی کے ساتھ لگا پانی دنیا ہے اور باقی سارا دریا آخرت ہے۔

اگر ہم دنیا کی زندگی ہی تک فکرمند ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کے روشن مستقبل کے نظریے کو محض ایک سیکنڈ کے بھی کروڑویں حصے تک محدود کرلیا ہے اور اس کے بعد کی زندگی اور مستقبل کے حوالے سے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی۔ خود ہی فیصلہ کیجیے کیا یہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے حق میں نقصان دہ امر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہمارے بچوں کا مستقبل، جو دنیا و آخرت دونوں کو محیط ہے، اچھا ہوگا تو اس کے نتیجے میں ہمارا مستقبل بھی روشن ہوگا۔ اولاد جو بھی نیکی کرے گی اس کا صلہ والدین کو ملتا رہے گا۔ قبر اور حشر کی سختیوں میں اولاد کی طرف سے ملنے والا یہ صلہ یقیناً اس مال و دولت سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا، جو اولاد کی طرف سے ماہانہ موصول ہوتا رہا۔ اس وقت انسان مشکل یا آسانی میں ہوگا تو دونوں صورتوں میں اسی خواہش کا اظہار کرے گا کہ کاش! میں نے بچوں کے مستقبل کو دنیا تک ہی محدود نہ کیا ہوتا۔ ﴿يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ﴾ ''اس دن انسان نصیحت



حاصل کرے گا لیکن اس کے لیے نصیحت کیونکر (فائدہ مند) ہوگی؟'' (الفجر 23:89)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَهُ» ''انسان جب فوت ہوتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر تین قسم کے اعمال کا ثواب جاری رہتا ہے: ① کوئی بھی صدقہ جاریہ ② یا کوئی بھی علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے ③ یا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔'' (صحیح مسلم: 1631)

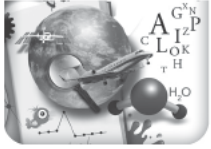
اس حدیث میں ہمیں دنیا کے بعد آنے والے مستقبل کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ صدقہ جاریہ سے مراد رفاہ عامہ کا کوئی بھی کام ہے جس کا سلسلہ چلتا رہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ مثلاً: مسجد، مدرسہ، سکول، لائبریری، کنواں، دارالایتام یا اس نوعیت کی نیکیاں۔

دوسری چیز علم ہے۔ وہ کوئی بھی علم ہو جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہو، خواہ نفع دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ علم و آگہی کے ذریعے لوگوں کے اندر شعور بیدار ہو، جینے کا پتہ چلے، اخلاقیات کا بول بالا ہو اور قانون کی بالادستی ہو..... یہ سب چیزیں نفع بخش علم سے تعلق رکھتی ہیں۔

کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص دنیاوی علوم سے اپنی اولاد کو آراستہ کرتا ہے اس کی وفات کے بعد اولاد علم اور فن آگے پھیلاتی رہتی ہے تو اس کا اجر بھی تو ملتا رہے گا۔ ہم امید بھی رکھتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں کہ اللہ ان فوت شدگان کو اجر عظیم سے نوازے جنھوں نے انسانیت کی صلاح و فلاح اور بہبود کے لیے کوئی بھی کاوش کی اور اپنی اولاد کو اس طرف لگایا۔ مگر یہاں ایک سوال یہ کھڑا ہے کہ خود ان بچوں کا کیا بنے گا؟ یہ اپنے والدین کے لیے باعث اجر بن گئے مگر ان کی زندگی قرآن وسنت کے مطابق نہ ہوئی حتی کہ فرائض بھی ادا نہ کرتے رہے تو ان کا کیا بنے گا؟ اور یہی فکر اس تحریر کا موضوع ہے کہ بچوں کا مستقبل روشن کیسے ہو؟

مذکورہ حدیث میں بتائی گئی تیسری چیز یہی ہے کہ نیک اولاد ہو جو والدین کے لیے دعا گو رہے۔ اولاد بہت زیادہ پڑھی لکھی ہو مگر اسے نماز جنازہ بھی نہ آتی ہو اور دعا مانگنے کے طریقے اور آداب ہی سے ناآشنا ہو تو وہ کیا دعا کرے گی؟ اور بنیادی علم دین سے ناآشنا، عقائد میں کھوکھلی اور عمل سے عاری اولاد کیسے نجات پائے گی؟ جنت میں انسان کو ساری نعمتیں مل جائیں مگر اس کی اولاد اسے نہ ملے یعنی وہ جنت کی حقدار نہ بن سکے تو اسے اس کی کمی تو بہرحال محسوس ہوگی۔ جب اس کے علم میں ہو کہ اس کی اولاد جہنم میں جل رہی ہے تو بہت سی نعمتوں کے باوجود اسے ایک قلق سا تو ہوگا۔

آیئے تاریخ کے ایک واقعے سے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبیر بن نفیر رحمہ اللہ کے والد نفیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم مقداد بن اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک شخص گزرا اور کہنے لگا کہ مبارک ہیں یہ دونوں آنکھیں جو رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے فیض یاب ہوئی تھیں، اے کاش! ہم بھی وہ دیکھتے جو آپ نے دیکھا اور ہم بھی وہ مشاہدہ کرتے جو آپ نے مشاہدہ کیا، اس سے مقداد ناراض ہوگئے تو مجھے تعجب ہوا کیونکہ اس شخص نے تو اچھی بات کہی تھی، پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ آدمی کو اس بات پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے کہ وہ اس موقع پر حاضر ہونے کی تمنا کرے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے غائب رکھا ہے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ اگر وہ اس موقع پر حاضر ہوتا تو اس کا طرزِ عمل کیا ہوتا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت سے ایسے لوگ بھی حاضر ہوئے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اوندھے منہ جہنم رسید کردیا کیونکہ انھوں نے آپ کی تصدیق نہ کی اور آپ کی نبوت و رسالت کو قبول نہیں کیا تھا، کیا تم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے جب سے تمھیں پیدا فرمایا ہے تم اپنے رب تعالیٰ کو پہچانتے ہو اور تمھارے نبی ﷺ تمھارے پاس جس دین و شریعت کو لائے ہیں تم اس کی تصدیق کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرکے تمھیں بچالیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو دورِ جاہلیت میں ایسے حالات میں مبعوث کیا گیا تھا کہ ان سے زیادہ شدید حالات میں کسی نبی کی بعثت عمل میں نہ آئی تھی، اس دور میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بتوں کی عبادت سے افضل کوئی دین نہیں ہے۔ آپ



ایسے دین فرقان کے ساتھ تشریف لائے جس نے حق و باطل میں فرق کردیا، جس نے باپ اور بیٹے میں فرق کردیا، اگر آدمی اپنے والد یا بیٹے یا بھائی کو دیکھتا کہ وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کے قفل کو ایمان کے لیے کھول دیا ہے تو وہ جانتا تھا کہ اس کا وہ باپ یا بیٹا یا بھائی جس نے ایمان کو قبول نہیں کیا مرنے کے بعد جہنم رسید ہوگا، اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں کہ اس کا پیارا دوزخ میں جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾ ''اور وہ جو (اللہ سے) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔'' (مسند أحمد: 3,2/6) (اس حدیث کا ترجمہ دارالسلام کی تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے۔) اس حدیث میں بیان کردہ دعا کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے: ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ ''اور ہمیں متقین کا پیش رو بنادے۔'' اس واقعے اور اس میں بیان کی گئی آیت میں ہماری توجہ اس طرف جانی چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کا مستقبل ایسا روشن کردیں کہ ہم متقین کے پیش رو بنیں، یعنی اپنے پیچھے نیک اور متقی اولاد چھوڑ کر جائیں جن کی نیکی اور تقویٰ کے اثرات نسل در نسل چلتے رہیں۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ''ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ وہ جہنم جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔'' (التحریم 6:66)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس بات کی بھی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایمان کی تعلیم دیں۔ اور انھیں ایمان کے تقاضوں سے آشنا کرائیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ .....﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ انھی کے راستے پر چلی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملادیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے معمولی سی کمی بھی نہیں کریں گے۔ ہر شخص اس کے بدلے گروی رکھا ہوا ہے جو اس نے کمایا۔ اور ہم انھیں خوب خوب لذیذ میوے دیں گے اور گوشت اس قسم کا جو وہ چاہیں گے۔ وہ (جنت میں کھیلتے ہوئے) ایک دوسرے سے جام چھینیں جھپٹیں گے۔ اس میں نہ کوئی لغویات ہوں گی نہ گناہ میں ملوث ہونا۔ اور ان پر انھی کے لڑکے چکر لگائیں گے جیسے وہ چھپائے ہوئے موتی ہوں۔ وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں میں (رہتے ہوئے) ڈرنے والے تھے پھر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں گرم لُو کے عذاب سے محفوظ رکھا۔'' (الطور 52:21-27)

یہ آیات اہل ایمان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ اپنے مستقبل کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کے مستقبل کو صحیح معنوں میں روشن بنائیں اور خود بھی اور اپنی اولادوں کو بھی جنت کا حقدار بنائیں۔ اپنے گھر میں رہتے ہوئے اپنی رعیت یعنی اہل خانہ کے ساتھ معاملات کرتے ہوئے اور ان کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ان کی اچھی تعلیم اور بہترین اسلامی تربیت کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔

جس طرح حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اسی طرح حقیقی خسارہ بھی آخرت کا خسارہ ہے۔ دنیا میں انسان کو مرضی کے مطابق آسائش نہ بھی ملے یا اسے نقصان اٹھانا پڑے تو وہ نقصان بھی عارضی ہے اور اس کی تلافی اکثر طور پر دنیا ہی میں ہوجاتی ہے مگر روشن مستقبل تب ہوگا جب آخرت کے نقصان سے خود بھی بچیں گے اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائیں گے۔ حشر کی سختیوں میں اہل ایمان کا یہ قول اللہ نے بیان فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''یقیناً خسارہ پانے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا۔'' (الشوریٰ 42:45)

والدین جو بچوں سے سکول ٹائم یا دفتری اوقات میں دور رہنا بھی ناگوار محسوس کرتے ہیں اور ان کے مستقبل کے بارے میں متفکر رہتے ہیں انھیں چاہیے کہ مستقبل کو اتنا محدود نہ سمجھیں۔

کوئی شخص اپنی پیاری اولاد کے Play Group کے متعلق بہت لمبی چوڑی منصوبہ

بندی کرے اور اس کے بعد کے مراحل کا کھٹکا بھی اس کے دل میں نہ آیا ہو کہ اس نے کیا کرنا ہے؟ اس کا کیا بننا ہے، پلے گروپ کے بعد کون سی کلاس ہے؟ ایسے شخص کو کوئی بھی سمجھدار نہیں کہہ سکتا۔

محترم قارئین! دنیا بھی ایک ''پلے گروپ'' ہے۔ یہ کھیل کود اور تماشا ہے۔ سچ فرمایا ہے اللہ نے: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَالْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''یہ دنیاوی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے اور یقیناً دار آخرت ہی اصل زندگی ہے۔ کاش! یہ جان لیں۔'' (العنکبوت 64:29) بچوں کے متعلق ہماری ساری سوچ اور فکر اسی ''پلے گروپ'' تک محدود ہے۔ اور ہماری اکثریت اس سے بالکل غافل ہے کہ اس کے بعد کون کون سے مرحلے آنے ہیں اور ان سے کس حال میں گزرنا ہے اور ان کا زاد راہ کیا ہونا چاہیے۔

مستقبل اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں بولا اور سمجھا جانے والا ''مستقبل'' ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے سے بھی بہت کم ہے یا آپ یوں کہہ لیں کہ اس مستقبل کا اُس مستقبل سے کوئی موازنہ ہی نہیں۔ اللہ کرے ہمارا اور ہماری اولاد بلکہ آئندہ نسلوں کا سارا مستقبل روشن ہوجائے۔ دنیا میں بھی تاریکی سے محفوظ رہیں، قبر بھی روشن ہو، قیامت کے اندھیروں سے بھی بچ جائیں اور جہنم کی ہولناک سختیوں سے بھی محفوظ رہیں۔ آمین



ابوعبداللہ

دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ فروری کے درست جوابات

① قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک انسان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

② جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کی تھیں۔

③ ساہیوال میں قدیم شہر ''ہڑپہ'' ہے۔

④ اس سال بارہ ربیع الاول کو عید کی نماز پڑھی گئی، قربانی کی گئی، کیک کاٹا گیا، میوزک پر نعتیں، بیت اللہ اور مسجد نبوی کے نقلی ماڈلز، چراغاں، جلسے اور جلوس اور بہت ساری بدعات کا ارتکاب کیا گیا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

پروین اختر (بھکر) عبدالرؤف، رضوان بلوچ، محمد احمد، حافظ محمد ندیم (فیصل آباد) حافظ اسامہ محمود (حافظ آباد) محمد توفیق احمد (کراچی) شازیہ اصغر (قصور) محسن علی (لاہور) محمد سرور (ننکانہ)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① ہم پاکستان کو اپنا دوسرا گھر سمجھتے ہیں۔

② اہل الحدیث ہی درحقیقت اہل النبی ہیں۔

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی نازیبا جملہ کہنا ایمان سے خارج کردیتا ہے۔

④ عقلمندی سے مراد طلب اولاد اور نسل انسانی کی افزائش ہے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: ''اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش کی دعا کریں تو تب بھی اللہ انھیں معاف نہیں کرے گا۔'' یہ کس کے بارے میں ہے؟

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث بہت پیاری ہیں۔ آپ بھی کوئی مختصر پیاری سی حدیث لکھیں؟

③ عہد نبوی کے تین کم عمر صحابہ کے نام بتائیں؟

④ قرارداد پاکستان کب پیش کی گئی؟



کتابوں کے دیس میں

① مقام رسالت

تالیف: مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

ناشر: مسلم پبلی کیشنز 12 عثمان غنی روڈ سنت نگر، لاہور 042-37249678

0321-4259678

زیرتبصرہ کتاب کے مؤلف زیرنظر رسالے کے بانی اور سابق چیف ایڈیٹر ہیں۔ اسی کتاب پر نظرثانی اور ترمیم و اضافے کا کام کرتے ہوئے مؤلف اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔

288 صفحات کی اس کتاب میں مقام رسالت، مقام حدیث، ائمہ کرام اور حدیث، فتنہ انکار حدیث اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا مصلحانہ انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلوب تحریر انتہائی سلیس اور عام فہم ہے۔ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد دین کی مبادیات آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ جدید طبقے کی طرف سے حدیث پر کئی اعتراضات اٹھتے ہیں، ان کا بھی جواب دیا گیا ہے۔

② الفرقان

مرتب: شیخ عمر فاروق حفظہ اللہ

ناشر: جامعہ تدبر القرآن B-15 وحدت کالونی، لاہور 042-37810845

شیخ عمر فاروق حفظہ اللہ ان راہروانِ ملت میں شامل ہیں جو اپنی قوم کو قرآن وسنت کی روشنی سے منور کرنے کے آرزومند ہیں۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی کتابیں چھپوا کر تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ زیرِنظر کتاب بھی سورہ آل عمران اور سورۃ الحجرات کے بعض دروس پر مشتمل ہے۔ اور آخر میں عربی سیکھنے کے حوالے سے بڑی عمدہ راہ نمائی بھی درج ہے۔ 672 صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب اصلاح عقائد و اعمال کا ایک آئینہ ہے۔ مرتب نے جس جگہ سے جو چیز نقل کی ہے انتہائی دیانت سے اس کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً ایک دعا اگر انھوں نے ''پیارے رسول کی پیاری دعائیں'' سے لی ہے تو اس کا حوالہ دیا ہے۔ عربی اردو کی تقریباً 30 تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ بڑا عام فہم اور جامع ہے۔ یہ کتاب مقام اشاعت سے فری حاصل کی جاسکتی ہے۔

③ زنا کی سنگینی

مؤلف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

ناشر: مکتبہ قدوسیہ، رحمٰن مارکیٹ، غزنی



سٹریٹ، اردو بازار لاہور 0321-4460487

نبی کریم ﷺ نے آخری دور میں زنا کے عام ہوجانے کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ یہ پیش گوئی کسی حد تک پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔ اس لیے قبل از وقت متنبہ کرنا یا اس برائی میں ملوث لوگوں کو توبہ کی طرف مائل کرنا وقت کا ایک اہم تقاضا اور فریضہ ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ مولف محترم بہت عمدگی سے موضوع کا احاطہ کرتے ہیں۔ ایک ایک بات کا حوالہ دیتے ہیں اور استنادی حیثیت کا بھی بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی ان سب باتوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ زنا کے متعلق اسلامی تعلیمات کے علاوہ یہودیت اور عیسائیت کے ہاں زنا کی سنگینی کا جائزہ بھی لیا گیا ہے اور اس بدکاری کے اثرات اعداد وشمار کے آئینے میں بتائے گئے ہیں۔ 340 صفحات پر مشتمل مختصر مگر جامع کتاب اپنے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

④ پاک و ہند میں زبان زدعوام وخاص غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ

تحقیق: مولانا طارق امیر خان

ناشر: زم زم پبلشرز، شاہ زیب سنٹر نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی 021-32729089

روایات کے فنی جائزے کے حوالے سے عربی میں خاصا کام ہوا ہے۔ مقام شکر ہے کہ اب یہ کام اردو زبان میں بھی ہورہا ہے اور یہ بات بھی خوش آئند ہے مسلک احناف کی طرف سے بھی اس قسم کا کام سامنے آیا ہے۔ 428 صفحات پر مشتمل یہ کتاب اپنے موضوع پر اچھی کاوش ہے۔ جن روایات پر تحقیق کی گئی ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں: ① ایک گھڑی کا غور وفکر ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ ② ختم قرآن کی دعا۔ ③ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ ④ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ ⑤ دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ اسی طرح کی تیس کے قریب روایات کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ یا تو موضوع ہیں یا منکر ہیں یا شدید ضعیف ہیں۔ خدمت حدیث پر ایک اچھی کاوش ہے۔

⑤ علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف

ترتیب: حکیم محمد طارق محمود چغتائی

ناشر: مرکز روحانیت وامن 78/3 نزد مسجد قرطبہ، قرطبہ چوک مزنگ چونگی، لاہور 042-37552384,3759705

کسی کے موقف سے اختلاف ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ کم از کم اس کی بات سن تو لینی چاہیے۔ راقم کو اندازہ ہے کہ حلقہ قارئین میں ''تصوف'' کا لفظ اجنبی ہی نہیں بلکہ قابل اعتراض بھی ہے۔ بڑے سائز کے 2460 صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب کئی ایک موجودہ علماء کی سرپرستی میں تیار ہوئی ہے اور ماضی قریب کے بہت سے علمائے اہلحدیث کے تاثرات، اقتباسات اور روزمرہ کے معمولات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے مندرجات کم وبیش 200 کتب ورسائل کی چھان بین کرکے شامل کیے گئے ہیں۔ کتاب کے تقریباً نصف حصے پر کئی ایک کتابوں کا عکس دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی کتاب میں یہ اعلان بھی موجود ہے کہ اس کی دوسری جلد بھی تیار ہورہی ہے۔ بہرحال یہ کتاب اس بات پر ایک سوالیہ نشان تو لگا دیتی ہے کہ تصوف سارے کا سارا سو فیصد غلط ہے۔ اسی طرح یہ جائز حد تک تصوف کے نقوش تلاش کرنے پر ابھارتی ہے۔ کتاب پر تبصرہ کرنے کا مقصد کسی کی تائید یا تردید نہیں۔ تحقیق وتجسس کے اس دور میں کم از کم کسی کا موقف سننے کا حوصلہ ضرور ہونا چاہیے۔

کتاب ہذا میں بہت سی باتیں قابل اعتراض بھی ہوں گی، بہت سی قابل اصلاح بھی اور کئی ایک قابل قبول بھی ہوسکتی ہیں۔ کتاب کے ص: 17 پر شیخ الحدیث مولانا الیاس اثری ﷾ کی عبارت ہے: ''اصل تصوف خرافات سے پاک، زبان کی شفافیت، قلب کی صفائی اور تزکیہ نفس کا نام ہے۔ ہمارے حضرت مرحوم (شیخ الکل حافظ محمد محدث، وفات 1985ء) کا تصوف سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ ان کے دل و دماغ کی کیفیت اور روحانیت کا یہ عالم تھا کہ ان کو گناہ گار سے بدبو آجایا کرتی تھی جیسا کہ ''نقوش عظمت رفتہ'' میں مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی ﷾ نے بھی درج کیا ہے۔''



جمہوریۂ ترکی

محسن فارانی

قسط: 1

شاندار ماضی، قابل فخر حال اور روشن مستقبل رکھنے والا اسلامی ملک

ترکی ایک نظر میں

پورا نام: جمہوریہ ترکی
دارالحکومت: انقرہ (سابق انگورہ)
رقبہ: 7,80,580 مربع کلومیٹر
آبادی: 6 کروڑ 90 لاکھ
زبانیں: ترکی، کردی، عربی، آرمینی، یونانی
سرکاری و تعلیمی زبان: ترکی
نسلیں: ترک 80 فیصد، کرد 20 فیصد
مذہب: مسلمان 99.8 فیصد، دیگر 02. فیصد
طرز حکومت: پارلیمانی جمہوریت
کرنسی: ترک لیرا

ترکی کا محل وقوع

ترکیہ یا ترکی کے شمال میں جارجیا، بلغاریہ اور بحیرۂ اسود (Black Sea) (ترکی میں ''قرہ دنیز'')، مشرق میں آرمینیا اور ایران، جنوب میں عراق، شام اور بحیرۂ روم اور مغرب میں بحیرۂ ایجین اور یونان واقع ہیں جبکہ یورپی ترکی اور ایشیائی ترکی کے درمیان دو آبنائیں باسفورس اور درہ دانیال اور بحیرۂ مرمرہ حائل ہیں۔ ترکی زبان میں آبنائے باسفورس کو قرہ دنیز بوغازی اور درہ دانیال کو چناق قلعہ بوغازی کہا جاتا ہے۔ یاد رہے ''قرہ دنیز'' کے معنی ہیں ''کالا سمندر'' اور ''بوغازی'' آبنائے کو کہتے ہیں۔ ایشیائی ترکی کو اناطولیہ یا ایشیائے کوچک (Asia Minor) بھی کہا جاتا ہے۔

ترکی کے جغرافیائی احوال

ترکی مغربی ایشیا اور یورپ کا ایک مستطیل خطہ ہے۔ اس کا 97 فیصد رقبہ ایشیا میں ہے اور باقی یورپ میں۔ زیادہ تر رقبہ سطح مرتفع ہے جس کی بلندی مغرب میں کم ہوتی جاتی ہے۔ شمال میں اناضولو داغلری اور جنوب میں طورس داغلری دو پہاڑی سلسلے ہیں (داغ بمعنی پہاڑ)۔ جزیرہ نما اناطولیہ کو ترکی اور عربی میں اناضول کہا جاتا ہے۔ ترکی کی بلند ترین چوٹی کوہ ارارات 5168 میٹر بلند ہے جسے قرآن میں کوہ جودی (ترکی میں بیوک آغری) کہا گیا ہے، اس پر کشتیٔ نوح اتری تھی۔ یہ آرمینیا کی سرحد پر واقع ہے۔ ترکی کے دریاؤں میں دجلہ، فرات، سقاریہ، اراکس، قزل ارماق (سرخ دریا)، یشل ارماق (سبز دریا)، مندریس، سیحان اور جیحان نمایاں ہیں۔ دجلہ، فرات اور اراکس بین الاقوامی دریا ہیں۔ دجلہ اور فرات ترکی سے نکل کر شام اور عراق میں بہتے ہیں جبکہ اراکس مشرقی ترکی سے نکل کر آرمینیا اور ایران کی سرحد بناتا ہے اور پھر آذربائیجان میں بہتا ہوا دریائے کورا سے جا ملتا ہے جو بحیرۂ کیسپین (بحیرۂ خزر) میں گرتا ہے۔ ترکی میں کئی جھیلیں ہیں جن میں جھیل وان، جھیل بے شہر، جھیل اغردیر اور توز گولو بڑی ہیں۔ سب سے بڑی جھیل وان مشرقی ترکی میں ہے جبکہ ملک کے وسط میں واقع توز گولو (نمکین جھیل) سے نمک حاصل ہوتا ہے۔

ترکی کی قدیم تاریخ

قدیم ترکی میں ارامی اور ہٹی یا حتی (Hittites) لوگ آباد تھے۔ حتّیوں کا زمانہ 1900 ق م سے شروع ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام عراق سے حرّان (ترکی) تشریف لائے۔ حتیوں کی قدیم سلطنت کا زمانہ 1750 ق م سے 1430 ق م تک ہے۔ پھر نئی



سلطنت بنی جو1200 ق م تک قائم رہی۔ یہ لوگ دیوی دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ ان کا سب سے بڑا بادشاہ شُتّی لولیوتھا جس نے سارا اناطولیہ اور شمالی شام فتح کرلیا۔ 1200 ق م کے لگ بھگ یہاں یونانی آباد ہونے لگے۔ انھوں نے مغربی ساحل پر ٹرائے شہر آباد کیا جو رزمیۂ ہومر میں مذکور جنگ ٹرائے (Trojan War) کے لیے مشہور ہے۔ کپاڈوشیا، فرجیا، لیڈیا (مغربی ترکی) ان کی ریاستیں تھیں۔ لیڈیا دنیا میں پہلی ریاست تھی جہاں سکے رائج ہوئے۔ ایرانی فاتح کوروش کبیر (سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے 547 ق م میں لیڈیا کو فتح کرلیا۔ اگلی دو صدیوں میں ترکی ایرانیوں کے زیرِ حکومت رہا۔

یونانی و رومی اقتدار

334 ق م میں سکندر اعظم مقدونی یونانی نے اناطولیہ فتح کرلیا۔ سکندر کے بعد اس کے گورنر اینٹی گونس نے یہاں بادشاہت قائم کرلی۔ پہلی صدی ق م میں رومیوں نے اناطولیہ کی یونانی ریاستیں بتھینیا، کپاڈوشیا، پونٹس اور گلاٹیا فتح کرلیں۔ انھوں نے 88 ق م سے 64 ق م تک پونٹس (شمالی ترکی) کے بادشاہ متھرے ڈے ٹیز سے تین لڑائیاں لڑیں۔ پہلی جنگ (88 تا 84 ق م) میں اس نے ایک دن میں 80 ہزار رومی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ آخرکار متھرے ڈے ٹیز نے شکست کھائی اور اناطولیہ رومی سلطنت میں ضم ہوگیا۔ اگلی صدیوں میں ترکی میں رومیوں اور ایرانیوں کے مابین خونریز لڑائیاں ہوئیں۔

ترکی میں مسیحیت اور اصحابِ کہف

29ء میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے بعد ان کے حواریوں مرقس اور برنباس کے ہمراہ سینٹ پال (ساؤل یا پولُس) نے اناطولیہ میں عیسائیت کا پرچار کیا۔ وہ اصلاً ترکی کے شہر طرسوس کا رہنے والا یہودی تھا۔ اس نے انطاکیہ سے برنباس کے ساتھ اناطولیہ کے شہروں پرگہ، انطاکیۂ پسدیہ، اکنیم (قونیہ) اور دربے کا سفر کیا۔ تیسرے سفر میں وہ انطاکیۂ پسدیہ سے اِفسُس کے راستے یونان چلا گیا۔ پولُس ہی نے ابنیتِ مسیح اور کفارہ کے عقیدے عیسائیت میں داخل کیے۔ عیسائیوں کے بقول پولُس کو 64ء میں روم (اٹلی) میں ''شہید'' کردیا گیا۔ اِفسُس یا اِفسوس، جو ازمیر (ترکی) کے جنوب مشرق میں واقع تھا، کہا جاتا ہے وہیں تیسری صدی عیسوی میں اصحابِ کہف کا واقعہ پیش آیا تھا۔

ترکی میں اسلام کی آمد

سن 10 نبوی میں نصیبین (ترکی) سے وادیٔ نخلہ میں جنوں کی آمد ہوئی تھی جو نبی کریم ﷺ سے قرآن سُن کر ایمان لے آئے تھے۔ خلافت فاروقی میں 17ھ میں عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے جنوب مشرقی ترکی کے شہر نَصیبین، رُہا (شانلی اورفا)، میّافارقین (Silvan)، سروج (Suruc)، ماردین، ارزن، بدلیس (Bitlis)، خلاط (Ahlat) اور حرّان فتح کرلیے۔ گورنر شام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حاکم حرّان نے شہر میں بچھوؤں کی کثرت کی شکایت کی جو محاصرۂ حرّان کے دوران میں خسرو اول نوشیروان نے شیشے کی بوتلوں میں بھر کر پھنکوائے تھے اور یوں قلعہ فتح ہوگیا تھا۔ اب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر بچھو مارنے پر انعام مقرر کر دیا گیا تو اس مہم کے نتیجے میں حرّان بڑی حد تک بچھوؤں سے پاک ہوگیا۔

قسطنطنیہ کا پہلا محاصرہ

50ھ/670ء میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عوف اور اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں ایک بحری اور بری لشکر بھیجا جس نے بازنطینی دارالسلطنت قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا جو پانچ سال جاری رہا۔ یہ مہم نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق عمل میں آئی کہ ''اولین لشکر جو شہر قیصر کو فتح کرے گا، اسے بخش دیا گیا ہے۔'' اس مہم میں بزرگ صحابی ابوایوب انصاری، ابن عمر، ابن زبیر، حسین بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ نے دوران محاصرہ شہادت پائی۔ سپہ سالار یزید نے ان کی وصیت پوچھی تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے دشمن کی سرزمین میں زیادہ سے زیادہ آگے لے جاکر دفن کرنا، چنانچہ انھیں قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا گیا اور رومیوں کو وارننگ دی گئی کہ اگر اس قبر کو نقصان پہنچایا تو شام کے گرجوں میں گھنٹیاں نہیں بجیں گی۔

ملطیہ اموی اور عباسی ادوار میں

دریائے فرات کے مغرب میں وسطی اناطولیہ کا شہر ملطیہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے طرندہ



(اناطولیہ) کے پناہ گزیں ملطیہ میں آباد کیے۔ عباسی خلافت کے آغاز میں 133ھ/750ء میں بازنطینی حکمران قسطنطین ششم نے ملطیہ کا محاصرہ کرکے مسلمانوں کو شہر چھوڑنے پر مجبور کردیا اور شہر کو پیوند خاک کردیا۔ 6 سال بعد خلافتِ منصور (139ھ) میں سپہ سالار صالح بن علی نے قسطنطین کی ایک لاکھ فوج کو شکست دے کر ملطیہ پر قبضہ کرلیا اور ابوجعفر منصور کے بھتیجے عبدالوہاب بن ابراہیم نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔

ہرقلیہ کی فتح اور معتصم باللہ کا جہاد

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں رومیوں سے جنگ (191ھ/806ء) ہوئی، مسلمانوں نے ہرقلیہ شہر (اناطولیہ) فتح کرلیا اور بازنطینی رومی حکمران نیسی فورس (نقفور) جزیہ دینے پر مجبور ہوگیا۔ مامون الرشید کے جانشین معتصم باللہ بن ہارون کے عہد میں 224ھ/838ء میں عموریہ (اناطولیہ) کی ایک ہاشمی خاتون نے وامعتصما کی فریاد بلند کی جسے عیسائیوں نے قید کرلیا تھا۔ معتصم کو پتہ چلا تو وہ لبیک یا اخت الاسلام (اے اسلام کی بہن! میں پہنچتا ہوں) کہہ کر اٹھا اور لشکر کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے عموریہ (نزد انگورہ) پر چڑھائی کردی۔ بازنطینیوں کو شکست ہوئی اور وہ ہاشمی خاتون اور دیگر تمام مسلمان قیدی رہا کرالیے گئے۔ اسی برس عباسی سپہ سالار افشین نے غلاطیہ یا گلاٹیا (Galatia) اور انگورہ (انقرہ) فتح کرلیے۔

ملطیہ کا المیہ

322ھ میں دمستق رومی نے ملطیہ پر قبضہ کرکے اس کی فصیل اور محلات تباہ کردیے۔ اس پر ایک عربی شاعر نے کہا:

فَلَأَبْكِيَنَّ عَلٰى مَلَطِيَّةَ كُلَّمَا
أَبْصَرْتُ سَيْفًا أَوْ سَمِعْتُ صَهِيلًا
هَدَمَ الدِّمُسْتُقُ سُورَهَا وَقُصُورَهَا
فَسَمِعْتُ فِيهَا لِلنِّسَاءِ عَوِيلًا
وَالْعِلْجُ يَسْحَبُهَا وَتَلْطِمُ كَفَّهُ
مُتَوَرِّدًا يَقَقَ الْبَيَاضِ جَمِيلًا
قَالُوا الصَّلِيبُ بِهَا بِأَمْرٍ ثَابِتٍ
قَدْ أَظْهَرُوا الصُّلْبَانَ وَالْإِنْجِيلَا

''میں جب بھی کوئی تلوار دیکھوں گا یا کسی گھوڑے کی آواز سنوں گا تو ملطیہ پر ضرور روؤں گا۔''

''دمستق رُومی نے شہر ملطیہ کی فصیل اور محلات منہدم کردیے، تب میں نے وہاں عورتوں کی آہ وزاری سُنی تھی۔''

''کافر رومی فوجی گودے جیسی نرم و نازک، گوری چٹی، خوبصورت عورتوں کو تھپڑ مار مار کر چہرے لال کرتے، گھسیٹتے لیے جاتے تھے۔''

''وہ کہتے تھے کہ صلیب یہاں ہمیشہ کے لیے گاڑ دی گئی ہے۔ صلیبیں اور انجیل غالب آ گئی ہیں۔'' (معجم البلدان:5/193,192)

روم اور سلطنتِ روم

آج کا ترکی گیارہ صدیوں تک زیادہ تر سلطنتِ روم کا حصہ رہا جس کا پہلا دارالسلطنت اٹلی کا شہر روم تھا مگر 330ء میں اس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ قرار پایا۔ ماضی میں اس خطے کو اناطولیہ کہتے تھے۔ 1071ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے مشرقی ترکی میں جنگ ملازکرد میں رومی بادشاہ دیوجانوس رومانوس کو شکست دے کر گرفتار کرلیا۔ 470ھ/1077ء میں سلیمان بن قتلمش سلجوقی نے سلطنت قونیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور پھر چند سال کے اندر تقریباً پورا اناطولیہ فتح ہوگیا اور اسلامی سلطنت کی حدود قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گئیں۔ اس دوران میں مقامی مسیحی باشندے اسلام قبول کرتے چلے گئے اور یہ پورا خطہ جو پہلے رومی یا بازنطینی سلطنت کا حصہ تھا اور جسے قرآن میں الروم کہا گیا، اسلامی فتوحات کے بعد عرب مورخین اسے بدستور ''الروم'' کہتے رہے۔ 490ھ/1097ء میں پہلی صلیبی جنگ کے مسیحی لشکر نے قونیہ کی سلجوقی سلطنت پر حملہ کیا تو قلیچ ارسلان داؤد سلجوقی کے ساتھ ایک لڑائی میں 3 لاکھ صلیبی مارے گئے۔

444 مجاہدوں نے تاریخ کا دھارا بدلا

621ھ/1224ء کی بات ہے۔ اناطولیہ میں دو لشکروں کے مابین خونریز جنگ جاری تھی۔ تلواریں ٹکرا رہی تھیں، لاشے گر رہے تھے، گرد کے بادل اُٹھ رہے تھے۔ ایک لشکر دب رہا تھا اور قریب تھا کہ وہ شکست کھا جائے کہ اتنے میں 444 سواروں کا ایک دستہ اچانک وہاں آپہنچا۔ ارطغرل اس دستے کا سالار تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ لڑنے والی فوجیں کن کن کی ہیں اور وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کس کا ساتھ دے۔ اتنے میں ایک فوج شکست کھاتی محسوس ہوئی تو ارطغرل



نے کمزور فریق کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اور پھر ارطغرل کے 444 شہسواروں نے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے دوسرے فریق پر ہلّا بول دیا۔ اس اچانک حملے سے وہ فوج بھاگ گئی اور میدان کمزور لشکر کے ہاتھ رہا۔

اناطولیہ میں عثمانی ریاست

وہ کمزور فوج قونیہ (ترکی) کے سلطان علاء الدین کیقباد اول سلجوقی کی تھی اور شکست کھانے والا ٹڈی دل لشکر کافر تاتاریوں کا تھا۔ اگر اس روز سلجوقی سلطان شکست کھاجاتا تو جانے اس خطے کی تاریخ کا رُخ کیا ہوتا۔ لیکن ان 444 گھڑ سواروں کے دلیرانہ حملے سے تاریخ کا دھارا یوں بدلا کہ ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) کی سلجوقی سلطنت مزید پون صدی تک قائم رہی۔ جنگ کے بعد ارطغرل کا باپ سلیمان خان اپنے قبیلے کی 4 ہزار نفری کے ساتھ ان سے آن ملا تھا۔ سلطان علاء الدین کیقباد اول سلجوقی (متوفی 634ھ/1236ء) نے خوش ہوکر سلیمان خان کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنادیا اور ارطغرل کو اپنی سلطنت کی مغربی سرحد پر دریائے سقاریہ کے بائیں جانب سُگد (Sogut) کا علاقہ دے دیا۔ ارطغرل نے اردگرد کے علاقے فتح کرکے اسے توسیع دی اور اپنی ریاست کے لیے سلطان علاء الدین کے علم کا نشان ''ہلال'' اختیار کیا۔ اس نے طویل عمر پائی۔ 687ھ/1288ء میں ارطغرل کی وفات پر اس کا بیٹا عثمان خان اس کا جانشین بنا۔

عثمان کا عجیب خواب

اِسکی شہر کے قریب گاؤں میں ایک اللہ والے عالم شیخ ادب علی رہتے تھے۔ عثمان اپنی نوعمری کے زمانے میں ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا تھا۔ ادب علی کی ایک نہایت حسین بیٹی تھی جس کا نام مال خاتون تھا۔ ایک روز عثمان کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور نکاح کا پیغام دیا جو شیخ نے قبول نہ کیا۔ بعض اور ترک سرداروں نے بھی خواہش کی جو ادب علی نے مسترد کردی۔ پھر ایک روز جب عثمان شیخ کے ہاں مقیم تھا، اس نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ ایک چاند ہلال بن کر ادب علی کے سینے سے نکلا اور رفتہ رفتہ بدر کامل بن کر اس کے سینے میں اتر آیا۔ پھر اس کے پہلو سے ایک زبردست درخت نمودار ہوا جو بڑھتا ہی چلا گیا حتی کہ اس کی شاخیں بحروبر پر چھاگئیں۔ درخت کی جڑ سے نکل کر دنیا کے چار بڑے دریا (دجلہ، فرات، نیل اور ڈینیوب) بہہ رہے تھے اور چار بڑے پہاڑ (کوہ قاف، کوہ بلقان، کوہ طور اور کوہ اطلس) اس کی شاخوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اچانک ایک نہایت تیز ہوا چلی اور اس درخت کی پتیوں کا رُخ جو شکل میں تلوار سے مشابہ تھیں، ایک عظیم الشان شہر کی طرف ہوگیا۔ یہ شہر (قسطنطنیہ) جو دو سمندروں اور دو براعظموں کے اتّصال پر واقع تھا، ایک انگوٹھی کے مانند دکھائی دیتا تھا جس میں دو نیلم اور دو زمرّد جڑے ہوئے تھے۔ عثمان اس انگوٹھی کو پہننا ہی چاہتا تھا کہ اس کی آنکھ کُھل گئی۔ اس نے یہ خواب ادب علی سے بیان کیا۔ شیخ نے اس میں عثمان کے شاندار مستقبل کی تعبیر دیکھ کر نیز اسے ایک اشارۂ غیبی سمجھ کر مال خاتون اس کے نکاح میں دے دی۔ عثمانیوں کا چھ سو برس پر محیط مستقبل اس خواب کی حسین تعبیر تھا۔

عثمانی سلطنت کی داغ بیل

عثمان 657ھ/1259ء میں دارالحکومت سُگد میں پیدا ہوا تھا۔ تخت نشینی کے اگلے سال اس نے قرہ جہ حصار فتح کرلیا تو سلجوقی سلطان غیاث الدین مسعود ثانی نے اسے اپنا سکہ جاری کرنے اور اپنا نام جمعے کے خطبے میں شامل کرنے کی اجازت دے دی۔ 699ھ/1299ء میں تاتاریوں نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں سلجوقی سلطان علاء الدین کیقباد سوم اور اس کا بیٹا غیاث الدین دونوں شہید ہوگئے۔ تاتاری سلطان غازان خاں جو اسلام قبول کرنے کے بعد اب غازان محمود خان کہلاتا تھا، لوٹ مار کرکے واپس چلا گیا۔ ان حالات میں عثمان خاں نے سر پر تاجِ شاہی رکھا اور خودمختار ہوکر حکومت کرنے لگا۔ یوں ایشیائے کوچک میں عثمانی ترکوں کی عظیم الشان سلطنت کا آغاز ہوا جو سوا چھ سو برس قائم رہی حتی کہ 1923-24ء میں مصطفیٰ کمال نے ترکوں کی سلطنت و خلافت کا خاتمہ کردیا۔ عثمان خان نے سلطنت کو رومی علاقے میں وسعت دی اور بُرسہ فتح کرلیا۔ اُس نے 726ھ/1326ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا اُورخان جانشین بنا۔ اُورخان نے بُرسہ کو دارالسلطنت بنایا۔



مراد اول اور یلدرم کی فتوحات

سلطان اورخاں (60-1326ء) نے درہ دانیال پار کر کے یورپی ساحل پر گیلی پولی اور کئی قلعے فتح کر لیے تھے۔ 761ھ /1360ء میں اس کا بیٹا مراد اول حکمران بنا۔ وہ پورے جزیرہ نما بلقان کو فتح کرتا ہوا دریائے ڈینیوب تک پہنچ گیا۔ بلغاریہ کا دارالحکومت صوفیہ 1381ء میں فتح ہوا۔ 1387ء میں عثمانی سالونیکا (یونان) پر قابض ہو گئے۔ جنگ کوسوو (791ھ /1389ء) میں عثمانی فتح کے بعد ایک سرب سردار میلاش نے دھوکے سے سلطان مراد اول کو شہید کر دیا۔ اس کے جانشین بایزید یلدرم اول نے معرکہ نیکوپولس (798ھ/1396ء) میں یورپ کے متحدہ لشکروں کو عبرتناک شکست دی۔ اس جنگ میں عثمانی لشکر کی قیادت سربیا کا نومسلم سٹیفن بن لازار کر رہا تھا۔ 1402ء میں سلطان بایزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا جب شاہ ترکستان امیر تیمور نے 6 لاکھ کے لشکر سے سلطنت عثمانیہ پر حملہ کر دیا۔

اسلامی قوتوں میں لاحاصل جنگ

پندرھویں صدی کے آغاز میں ترک سلطان بایزید (یلدرم) اوّل اور وسط ایشیا کے حکمران امیر تیمور کی سلطنتیں دنیا کی دو سپر طاقتیں تھیں لیکن باہمی اختلافات کے نتیجے میں ان میں جنگ انگورہ (1402ء) لڑی گئی۔ امیر تیمور کی 6 لاکھ فوج نے بایزید یلدرم کی ڈیڑھ لاکھ فوج کو شکست دی اور یلدرم تیمور کا قیدی بن گیا اور چند ماہ بعد قید ہی میں وفات پائی۔ یوں مسلمانوں کی وہ عسکری طاقت ایک بے فائدہ جنگ کی نذر ہو گئی جو پورے ایشیا اور پورے یورپ کو فتح کر سکتی تھی۔ مسلمانوں کو ہمیشہ باہمی اختلافات نے نقصان پہنچایا ہے۔

عثمانیوں کے دارالحکومت

عہد ارطغرل میں دارالحکومت سُگد (موجودہ سگوت) تھا جو شمال مغربی ترکی میں اِسکی شہر (پرانا شہر) اور ینی شہر (نیا شہر) کے درمیان واقع ہے۔ اس کے بعد قونیہ، ینی شہر، قرہ حصار (افیون) اور بُرسہ عثمانی ترکوں کے دارالحکومت بنے۔ پھر یورپ میں سلطنت کی توسیع ہوئی تو یورپی ترکی کا شہر ادرنہ (ایڈریانوپل) دارالحکومت قرار پایا حتی کہ 857ھ/1453ء میں قسطنطنیہ دارالسلطنت ٹھہرا جو 1517ء میں دارالخلافہ بنا اور اب استنبول کہلاتا ہے۔

الراشد اوورسیز اینڈ لوکل ٹیسٹ اینڈ ٹریننگ سنٹر کی جانب سے بے روزگار افراد کے لیے خوشخبری

بیرون ملک ملازمت کے خواہشمند حضرات جو کسی قسم کا ہنر نہیں جانتے انھیں فنی ماہرین کی زیرنگرانی ٹریننگ دی جاتی ہے۔
مثلاً: سٹیل فکسر، شٹرنگ، کارپینٹر، میسن وغیرہ۔ خواہشمند حضرات آج ہی رابطہ کریں۔

- دوبئی، ابوظہبی، شارجہ، قطر، بحرین، سوڈان اور دیگر تمام ممالک میں جانے والے امیدواروں کے پری میڈیکل ٹیسٹ انٹرنیشنل معیار کے مطابق مناسب قیمت پر کیے جاتے ہیں۔
- اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز اور ٹریڈ سنٹرز مالکان کا اپنا ممتاز ادارہ۔
- ادارہ ہذا عرصہ 10 سال سے راولپنڈی میں بھی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔
- ہمہ قسم ٹیسٹ بھی کیے جاتے ہیں۔

مناسب فیس.....بہترین فنی مہارت
سلفی حضرات کے لیے خصوصی ڈسکاؤنٹ

ڈپلومہ سند حاصل کرنے کے خواہشمند حضرات بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

برائے رابطہ: ملتان: قاری عطاء اللہ عزیز صاحب 0300-9639796۔ خانیوال: چوہدری شفیق عالم شاکر 0306-2195364، قاری خلیل 0333-6211815۔ لاہور: حافظ شبیر صدیق، دارالسلام 0322-8246740۔ اوکاڑہ: کاشف سجاد کمبوہ 0300-6970661۔ کمالیہ: قاری عبدالستار: 0300-3790968۔ بہاولپور، رحیم یار خان: ریحان طاہر، 0321-6708839۔ بھکر: چوہدری محمد رفیق 0307-5542534۔ گوجرانوالہ: مولانا مجیب الرحمٰن 0304-6347947۔ مانانوالہ: حفیظ دانش 0342-7666878۔ پتوکی: قاری عبدالجبار، 0324-3297024۔ بورا، وہاڑی: محمد الیاس، 0300-4803473۔

ایڈریس: آر ایم لیب، 421 ہما بلاک مارکیٹ نزد جاوا ریسٹورنٹ سکیم موڑ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور 0303-8080103,042-35018793